مُدیرِ اعلیٰ
ڈاکٹر حافظ عبد الرحمن مدنی
حفظہ اللہ
مُدیر
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

مُحدّث

اپریل ۲۰۱۶ء

مجلس التحقیق الاسلامی

۴ تحفظِ نسواں بل کا تنقیدی جائزہ اور متبادل حل
۳۱ تلاوتِ قرآن کا نبوی طریقہ
۵۱ نبی کریم ﷺ کے روزانہ کے معمولات
۶۷ قرآنِ مجید کے الفاظ کی اپنے معانی پر دلالت

www.kitabosunnat.com magazine.mohaddis.com
CPL No. 49
Vol. 48 No.5
Monthly MUHADDIS Lahore
35866476
35866396

عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں
لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر اِفہام و تفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکارِ انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

تبلیغ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

آئین و سیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ مُحدّث لاہور

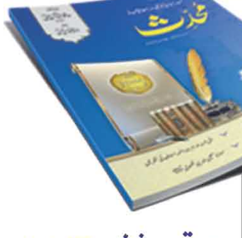

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

- قیمت فی شمارہ ۶۰ روپے
- زرِ سالانہ ۳۰۰ روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700

تبلیغ دین کے لئے مجلس التحقیق الاسلامی کی عظیم الشان
ISLAMIC RESEARCH COUNCIL
ویب سائٹس
محدث لائبریری
KitaboSunnat.com
محدث فتویٰ
UrduFatwa.com
محدث میگزین
Magazine.Mohaddis.com
محدث فورم
Forum.Mohaddis.com
یومیہ 15000 وزیٹر
ہر لمحہ 2000 قارئین
زیر سرپرستی
ڈاکٹر حافظ عبدالرحمن مدنی
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی
زیر نگرانی
ڈاکٹر حافظ انس نضر
ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی
علمی معاونت
قاری مصطفی راسخ
قاری خضر حیات
فنی معاونت
انجینئر محمد شاکر اعوان
انجینئر عمیر حسن راجہ
خصوصیات
اسلامی کتب، مضامین اور فتاویٰ کے لیے مقبول ترین اور روزانہ اپڈیٹ ہونے والی ویب سائٹس
اسلامی لٹریچر اور شرعی مسائل کے لئے دنیا بھر سے ملنے والے مطالبوں کی تکمیل
یومیہ مناسبت کے مطابق خصوصی مضامین
تمام ویب سائٹس اردو زبان میں
تمام ویب سائٹس پر تبصرے وجائزے اور تاثرات وشماریات کی سہولت
جاری پروگرام
محدث لائبریری
(KitaboSunnat.com)
یومیہ 3 کتب کا اضافہ (PDF)
حالات کی مناسبت سے اہم مضامین
محدث فتویٰ
(UrduFatwa.com)
تمام سلفی مطبوعہ فتاویٰ جات کی اپ لوڈنگ
نئے پیش آمدہ مسائل کے فوری جوابات
محدث میگزین
(Magazine.Mohaddis.com)
45 سال کے تقریباً 90 فیصد شمارے
(Unicode / PDF)
محدث فورم
(Forum.Mohaddis.com)
موضوعات: 20829 ترسیلات: 170731
اراکین: 2497
مستقبل کے منصوبے
حدیث پراجیکٹ
محدث یونیکوڈ لائبریری
محدث آڈیو، ویڈیو سیکشن
رسائل وجرائد سیکشن
ماہانہ اخراجات پونے دو لاکھ روپے
زیر اہتمام مجلس التحقیق الاسلامی J-99 ماڈل ٹاؤن، لاہور
Mobile: +92 322 7222288
anasnazar99@gmail.com
Account: kitabosunnat.com, 0093-01875659, Bank AlFalah, Urdu Bazar, Lahore Swift Code: ALFPKKA093
Designing & Printing: CRYSTAL ART Lhr 0323-7471861

علوم وفنون، افکار ونظریات اور تنظیموں وتحریکوں کے مرکز 'لاہور' میں عظیم الشان لائبریری
المكتبة الرحمانية
اساتذہ، محققین اور اعلیٰ تعلیم کے طلبہ کی علمی ضروریات کا اہم مرکز ومرجع
خصوصیات
ہمہ نوعیت کے موضوع پر 45 ہزار علمی ودینی کتابیں
بین الاقوامی DDC لائبریری سکیم کے تحت مرتب شدہ
لائبریری میں موجود کتب کو گھر بیٹھے سرچ کرنے کی آن لائن سہولت
پاکستان میں 900 دینی رسائل وجرائد کے شماروں کا سب سے بڑا مرکز
فاضل شخصیات اور ماہر لائبریرین کے ذریعے موضوع تک رہنمائی
قدیم وجدید تحقیقات کے حامل جدید ایڈیشن
عرب ممالک سے شائع ہونے والی نئی کتب کا مرکز
فوٹو کاپی کروانے کی سہولت اور مسجد کا انتظام
پرسکون محل وقوع اور تعلیمی اداروں کے سنگم میں
ایئر کنڈیشنڈ ہال
سہولیات
جملہ اردو وعربی تفاسیر اور علوم قرآن کی تمام کتب
حدیث نبوی، شروح حدیث اور علوم قرآن کے بیشتر مراجع
فقہی مذاہب خمسہ کی امہات الکتب اور جدید فقہی موضوعات کا مستند ذخیرہ
اسلامی سیاسیات واقتصادیات اور عمرانیات وغیرہ سے متعلقہ بیش بہا خزانہ
اسلامی قانون سے متعلقہ جملہ اہم پہلوؤں پر اسلاف کا نادر علمی ورثہ
Ph.D وغیرہ محققین کے لیے علمی رہنمائی اور مشاورت
اوقات
صبح 9:00 بجے
تا
شام 5:00 بجے
(چھٹی بروز جمعہ)
Designing & Printing: CRYSTAL ART Lhr 0323-7471861
بمقام
ادارہ 'محدث' 99/جے ماڈل ٹاؤن، لاہور، 042-35866396
موبائل 0305-4600861 (لائبریرین: محمد اصغر)

magazine.mohaddis.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحفظِ نسواں بل کا تنقیدی جائزہ اور متبادل حل

تحفظ نسواں بل ۲۰۱۶ء پنجاب کی صوبائی اسمبلی سے جب سے پاس ہوا ہے، اس کی مخالفت اور حمایت نہایت شد و مد سے جاری ہے۔ مخالفت کرنے والے بلا تفریق مسلک و مشرب علماے کرام اور تمام دینی جماعتیں ہیں۔ کسی بھی مذہبی مکتبِ فکر کی حمایت اس کو حاصل نہیں ہے۔

حمایت کرنے والے کون؟

حمایت کرنے والے کون ہیں؟ ایک تو اس کے بنانے والے اور وہ ہیں پنجاب کے وزیر اعلیٰ کے امن وامان سے متعلق خصوصی یونٹ، خواتین کے حقوق کے لیے کام کرنے والی تنظیمیں، انسانی حقوق کے کارکن اور پنجاب اسمبلی کی بعض خواتین ارکان[1]۔ ان میں دیکھ لیجئے، ایک بھی عالم دین یا ایسی شخصیت نہیں ہے جسے علومِ دینیہ میں مہارت یا کم از کم ضروری شناسائی ہی ہو۔

حمایت کرنے والوں کی دوسری قسم ایسے وزرا، دیگر وابستگانِ حکومت اور ان اراکین اسمبلی پر مشتمل ہے جنہوں نے کچھ عرصہ قبل تعلیمی اداروں میں رقص و سرود کی محفلوں کے انعقاد کے خلاف پاس ہونے والے بل کی مخالفت کر کے اس کو ختم کروا دیا تھا اور ان حیاباختہ پروگراموں اور بے ہودگیوں کو جاری رکھنے پر اصرار کیا اور اس 'حق' کو تسلیم کروایا۔ اس سے ان راکین کی اسلام سے وابستگی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

تیسری قسم ان خواتین کی ہے جنہوں نے این، جی اوز (غیر سرکاری تنظیمیں) قائم کر رکھی ہیں، جن کا مقصد ہی مسلمان عورت کو بے پردہ کر کے اور بے حیا بنا کر مردوں کے دوش بدوش کھڑا کرنا ہے تا کہ اسلامی معاشرہ اپنی اسلامی خصوصیات سے محروم ہو کر مغربی تہذیب کو اپنا لے۔

اسلامی معاشرے کی اصل خصوصیت یہ ہے کہ عورت تعلیم کے ساتھ ساتھ حیا و عفت کے جذبہ

1 روزنامہ نوائے وقت ۲۱ مارچ ۲۰۱۶ء، مضمون شہزاد خالد

و تصور سے آراستہ ہو، اور اپنی فطری خصوصیات اور فطری مقاصد کے مطابق گھر کی چار دیواری کے اندر اُمورِ خانہ داری، خاوند کی خدمت واطاعت، بچوں کی دیکھ بھال اور ان کی تعلیم و تربیت وغیرہ کا کام سر انجام دے۔ یا پھر ان کے ساتھ جزوی طور پر ایسے کام کرلے جن میں مردوں کے ساتھ اختلاط نہ ہو۔ جیسے پرائمری سکول میں ٹیچنگ، لڑکیوں کی تعلیم، بطورِ لیڈی ڈاکٹر مریض عورتوں کا علاج وغیرہ۔

مغربی تہذیب کیا ہے؟ جس کے فروغ کے لیے مذکورہ تنظیمیں سرگرم ہیں، اور جس کے لیے ان تنظیموں اور ان کے بانیوں کو مغرب کے استعماری اور اسلام دشمن ممالک یا تنظیموں کی طرف سے بھاری مقدار میں فنڈز مہیا کیے جاتے ہیں۔

وہ تہذیب ہے کہ مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں کو معاشی مشین کا کل پرزہ بننا چاہیے۔ وہ گھر کی چار دیواری کو خیر باد کہہ کر ملوں، فیکٹریوں میں کام کرے، دفتروں میں کلرکی اختیار کرے یا افسروں کی بانہوں میں جھولے، راتوں کو کلبوں میں مردوں کے ساتھ ڈانس کرے اور ہر وہ کام کرے جو اسلام میں اس کے لیے ناپسندیدہ ہے، لیکن مغربی تہذیب میں پسندیدہ ہے، جیسے بے پردگی، نامحرم مردوں کے ساتھ بے باکانہ اختلاط، مردوں کے ساتھ دوستی اور ان کے ساتھ سیر سپاٹا وغیرہ۔

مغرب زدہ خواتین اس بل کی حمایت کیوں نہیں کریں گی؟ اس بل نے تو ان کی آرزوؤں اور مقاصد کے ہفت خواں کو ایک ہی چست میں طے کرا دیا ہے۔ اگر خدا نخواستہ یہ بل واقعی نافذ ہو گیا تو پاکستان میں بھی مغرب کی طرح خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار اور عورت یکسر غیر محفوظ ہو جائے گی۔ اس مقصد کے حصول میں مغرب اپنی ایجنٹ خواتین کے ہزار جتن کے باوجود، ابھی تک خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں کر سکا تھا لیکن حکومتِ پنجاب 'مبارک باد' کی مستحق ہے کہ اس نے جس طرح پہلی جماعت ہی سے انگریزی مسلط کر کے مغرب کے طوق غلامی کو ہر مسلمان بچے کے زیبِ گلو کر دیا ہے۔ اب مسلمان عورت کے لیے وہ نظام بھی تجویز کر دیا ہے جس سے چند سالوں میں نہایت تیزی سے وہ خاندانی حصار اور تحفظ، جو پاکستانی عورت کو بہت حد تک حاصل ہے، ختم ہو جائے گا اور پاکستانی عورت بھی مغرب کی طرح خاندانی حصار سے آزاد، مرد کی بالادستی، جو اس کی حفاظت کا ضامن ہے، سے محفوظ اور کٹی پتنگ کی طرح آوارہ منشور اور ہوس کاروں کی مرکزِ نگاہ ہو گی۔ لا قدّرہ اللہ، ثم لا قدرہ اللہ

اس بل کی حمایت کرنے والا چوتھا طبقہ، روزنامہ اخبارات کے ان کالم نگاروں پر مشتمل ہے جو ہر نئے پیش آمدہ مسئلے میں کالم نگاری ضروری سمجھتے ہیں، چاہے وہ اس موضوع کی اہمیت، تقاضوں اور اس کی

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ضروری اہلیت سے کوئی آگاہی نہ رکھتے ہوں۔ کچھ اور نہیں تو وہ متعلقہ مسئلے سے آگاہی رکھنے والوں کو ہی طعن و تشنیع کا ہدف بنا کر سمجھتے ہیں کہ ہم نے کالم نویسی کا حق ادا کر دیا ہے، یا وہ سمجھتے ہیں کہ ہر مسئلے میں ٹانگ اڑانا، یعنی رائے زنی کرنا ہمارا بنیادی اور جمہوری حق ہے۔ اسی لیے وہ اظہارِ رائے کی آزادی کو جمہوریت کا لازمی حصہ سمجھتے اور باور کراتے ہیں لیکن جوابِ آں غزل کے طور پر جب آگاہی رکھنے والے اہل علم و تحقیق تصویر کا دوسرا رخ اور صحیح رخ پیش کرتے ہیں تو اس کو بالعموم اخبارات میں شائع نہیں کیا جاتا۔ ان کے نزدیک آزادئ صحافت یا آزادئ اظہارِ رائے صرف یہ ہے کہ خود ان کو لکھنے اور شائع کرنے کی اجازت ہو، وہ جو چاہیں لکھیں اور شائع کریں۔ اگر وہ رات کو دن اور دن کو رات باور کرائیں تو ان کا حق ہے جسے سلب کرنا جمہوریت کے خلاف ہے لیکن دوسرے کسی باخبر شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ یہ لکھے کہ یہ رات کس طرح ہو سکتی ہے جب کہ سورج کی روشنی ہر سو پھیلی ہوئی ہے اور یہ دن کس طرح ہو سکتا ہے جب کہ تاریکی ہر طرف چھائی ہوئی ہے؟ یہ بھی جمہوریت ہے کیونکہ ان کے نزدیک جمہوریت یا آزادئ رائے کا حق صرف ان کے لیے مخصوص ہے۔ اس لیے قسمت کی دیوی اُن پر مہربان ہے اور وہ اخبارات کے مالک، یا ان کے مستقل تنخواہ دار کالم نگار، یا مشہور قلم کار ہیں!!

رہے اہل علم و تحقیق اور اربابِ فکر و نظر، چونکہ بد قسمتی سے نہ وہ اخبارات کے مالک یا مدیر ہیں اور نہ اخبارات کے مستقل تنخواہ دار ملازم اور کالم نگار۔ وہ چاہے آسمانِ علم و تحقیق کے درخشندہ ستارے ہوں، بحرِ علم دینیہ کے غوّاص اور ماہر ہوں، اصابتِ فکر و نظر کے حامل ہوں لیکن ان کی تحقیق یا وضاحتی بیان ناقابل اشاعت قرار پائے گا، وہ سرد خانے کی نذر ہو گا یا رَدّی کی ٹوکری اس کا مقدر ہو گا۔ مالکان و مدیران اخبارات کا یہ وہ 'جمہوری حق یا رویہ' ہے جو سالہا سال سے راقم کے تجربہ و مشاہدہ کا حصہ ہے۔ یہ جگ بیتی ہی نہیں، آپ بیتی بھی ہے جس میں ایک فی صد بھی غلط بیانی نہیں۔

بہر حال بات ہو رہی تھی اس متنازعہ بلکہ مغربیت میں ڈوبے بل کی کہ اس کی حمایت میں جو چوتھا طبقہ سرگرم ہے وہ اخباری کالم نویسوں کا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ جرعۂ تلخ اُن کے لیے کتنا بھی ناخوش گوار ہو، مگر حقیقت یہی ہے کہ مذکورہ تینوں حمایتیوں کی طرح، یہ بھی قرآن و حدیث کے علوم سے بہر حال بہرہ ور نہیں ہے۔

دنیائے علم و تحقیق میں یہ بات مسلمہ ہے کہ سائنس، ریاضی، انجینئرنگ، طب و حکمت،

معاشیات، سیاسیات، یا کسی بھی علم و فن میں کوئی کتاب یا مضمون لکھنے کا حق صرف اسی کو حاصل ہے جو اس علم یا فن کا ماہر ہو اور اس پر کامل عبور رکھتا ہو۔ اس کے بغیر کوئی شخص کسی بھی فن پر لکھنے کی جرأت نہیں کرتا اور اگر کوئی ایسی جسارت کر لے تو اسے کوئی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہو گا بلکہ اسے دنیا احمق یا پاگل تصور کرے گی کہ 'ذات کی کوڑھ کرلی اور...'

لیکن دین اسلام، وہ دنیا کا مظلوم ترین دین ہے کہ اس کی ابجد سے ناآشنا لوگ اس میں رائے زنی بلکہ اس میں 'اجتہاد' کرنا نہ صرف اپنا حق سمجھتے ہیں بلکہ جن علما نے علوم دینیہ کے سیکھنے سکھانے میں اپنی عمریں صرف کی ہیں، ان کو دینی معاملات میں رائے دینے کا اہل ہی نہیں سمجھا جاتا۔

دیکھ لیجئے! اس بل کا سارا تعلق خاندانی نظام سے ہے جس میں سب سے زیادہ اہم پہلو، میاں بیوی کا باہمی تعلق ہے۔ اس کے بارے میں اسلام میں اتنی تفصیلی ہدایات ہیں کہ دنیا کے کسی نظام، مذہب یا نظریے میں نہیں ہیں۔ لیکن یہ بل بناتے وقت اسلام کی ان روشن تعلیمات کو نہ صرف نظر انداز کیا گیا ہے بلکہ سارا بل قرآن و حدیث کی واضح تعلیمات کے خلاف ہے اور مغربی افکار کا چربہ یا اس کی بھونڈی نقل ہے۔ اسی لیے کسی عالم دین سے قطعاً مشاورت کا اہتمام نہیں کیا گیا۔

اس کے بنانے یا بنوانے والے تو کہہ ہی رہے ہیں کہ یہ بل اسلام کے عین مطابق ہے اور ان کی تو یہ مجبوری ہے کہ اُنہوں نے تو یہ ساری کاوش کی ہے، اُن کی طرف سے تو یہ دفاع، صحیح ہے یا غلط؟ اس سے قطع نظر، سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ لیکن اخبارات کے کالم نگار بھی ماشاء اللہ، چشم بد دور، مفتیانِ دین متین اور قرآن و حدیث کے سکالر بن گئے ہیں اور فتویٰ صادر فرما رہے ہیں کہ بل میں کوئی چیز خلافِ اسلام نہیں ہے بلکہ وہ یہاں تک دعوے کر رہے ہیں کہ علمایوں ہی شور مچا رہے ہیں لیکن وہ اس کی کوئی شق خلافِ اسلام ثابت نہیں کر سکے۔

زیر نظر مضمون بل کے اداکاروں اور ہدایت کاروں کے علاوہ، جدید اسلام کے ان 'مفتیانِ کرام' اور 'محققین عظام' کی خدمت میں پیش ہے کیونکہ اس میں ان کے دعوؤں کے برعکس اس بل کو مکمل طور پر خلافِ اسلام ثابت کیا گیا ہے جس سے ان کے چیلنج کا جواب بھی سامنے آجائے گا کہ علماء اس کو خلاف اسلام ثابت نہیں کر سکے یا نہیں کر سکتے۔ بعون اللہ وتوفیقہ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

بل کا جائزہ

یہ بل حقیقی بنیادوں سے محروم اور چند مفروضوں پر مبنی ہے۔ اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں...

بل کا آغاز ان الفاظ سے کیا گیا ہے:

”چونکہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین اصناف کے مابین مساوات کی ضمانت دے کر ریاست کو خواتین کے تحفظ کے لیے خاص شق وضع کرنے کا اختیار دیتا ہے، لہٰذا یہ ضروری ہو گیا ہے کہ خواتین کو گھریلو تشدد سمیت تشدد سے تحفظ فراہم کیا جائے....“[1]

تبصرہ: 'اصناف کے مابین مساوات' کے الفاظ آئین پاکستان کے آرٹیکل ۲۵ کی ذیلی دفعہ ۲ سے ماخوذ یا اس کا مفہوم ہیں، آئین کے اصل الفاظ (اُردو متن) حسب ذیل ہیں:

”جنس کی بنیاد پر کوئی امتیاز نہیں کیا جائے گا۔“

اس کا مطلب اگر یہ ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق ہی نہیں ہے۔ دونوں ایک ہی قسم کی صلاحیتیں لے کر دنیا میں آئے ہیں اور دونوں دنیا کا ہر کام کر سکتے ہیں تو یہ بداہۃً غلط ہے۔ گو مغرب کے نزدیک مساواتِ مرد وزن کا یہی مطلب ہے اور مغرب زدگان بھی اس غیر عقلی اور غیر فطری نظریے پر ایمان بالغیب رکھتے ہیں لیکن اسلام اس مساواتِ مرد وزن کو تسلیم نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کے درمیان فرق کیا ہے، ان کے مقصدِ تخلیق میں بھی اور دائرہ کار میں بھی، اور اسی اعتبار سے دونوں کی صلاحیتیں بھی ایک دوسرے سے مختلف عطا کی ہیں۔ اس کی تفصیل راقم کی کتاب 'خواتین کے امتیازی مسائل' اور زیر طبع کتاب 'حقوقِ نسواں اور حقوق مرداں' میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اور اگر اس دفعہ کا مطلب یہ ہے کہ مرد اور عورت، اگرچہ دو جنس ہیں، لیکن محض اس بنیاد پر کسی کے ساتھ امتیاز نہیں کیا جائے گا، دونوں کے حقوق کا تحفظ اور دونوں کی فلاح وبہبود کے لیے ضروری قانون سازی کی جائے گی۔ تو یہ مطلب بالکل صحیح ہے اور اسلام سے متصادم نہیں، جب کہ پہلا مطلب اسلام سے یکسر متصادم ہے۔

اس دوسرے مفہوم کی رو سے عورت پر ظلم وتشدد کی جو جو صورتیں بھی ہمارے معاشرے میں موجود ہیں، ان کا سدباب نہایت ضروری اور حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اس ذمے داری کی ادائیگی میں

۱ مسودہ قانون نمبر ۱۳، تشدد سے تحفظ خواتین پنجاب ۲۰۱۵ء.... تمہیدی کلمات اُردو متن

موجودہ قوانین اگر ناکافی ہیں تو نئے قوانین بنانا اور مناسب تدابیر اختیار کرنا بھی نہایت ضروری بلکہ ناگزیر ہے۔ کیونکہ یہ نہ اسلام کے خلاف ہے اور نہ علمائے کرام اس میں مزاحم یا اس کے مخالف ہیں۔ اسلام عورت کو ہر قسم کا تحفظ دیتا ہے بلکہ اسلام ہی عورت کو تحفظ دیتا ہے، علما اس کے مخالف کس طرح ہو سکتے ہیں؟ ایں خیال است ومحال است وجنوں!

لیکن اصل بات یہ ہے کہ حکومت کے ذمے داران یا ان کے پس پردہ دیگر حضرات وخواتین نے آئین کی مذکورہ شق یا دفعہ کا مطلب ہی نہیں سمجھا ہے اور اس کو صرف اپنی مطلب براری کے لیے استعمال کیا ہے۔ اس کو ایک مثال سے اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ ملک میں آجر اور اجیر (محنت کش اور مالک) دو فریق ہیں، ملک کی ساری آبادی انہی دو فریقوں پر مشتمل ہے۔ ریاست کی ذمے داری ہے کہ دونوں فریقوں کے حقوق کا تحفظ کرے اور ایسے قوانین بنائے کہ نہ محنت کش مالک پر ظلم کر سکے اور نہ مالک مزدوروں کے ساتھ ظلم وزیادتی کا معاملہ کر سکے۔ اب اگر مالکان مزدوروں کے حقوق کا خیال نہیں رکھتے، ان کے ساتھ ظلم وزیادتی کا معاملہ کرتے ہیں جس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں اور ہیں جن کو ہر باشعور شخص سمجھتا ہے۔ ریاست کی یقیناً ذمے داری ہے کہ وہ مزدوروں (محنت کشوں، ملازموں) کے حقوق کا تحفظ کرے اور ایسی قانون سازی کرے کہ مظلومین کی دادرسی ہو سکے، ان کے حقوق کو کوئی پامال نہ کر سکے اور ان پر کسی قسم کی زیادتی نہ کی جا سکے۔ لیکن حکومت مزدوروں کے تحفظ کے لیے ایسے قوانین بنائے جن میں مالکان کے حقوق کو نظر انداز کر دیا جائے تو کیا یہ قانون سازی معقول کہلائے گی؟ یا ایسے قوانین سے مزدوروں کے حقوق کا تحفظ ممکن ہو گا؟ یا اس کو اسلام کے مطابق قرار دیا جا سکے گا؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ نہ ایسی قانون سازی میں کوئی معقولیت ہو گی، نہ اس سے مزدوروں کے حقوق کا تحفظ ہی ہو گا اور نہ اسے اسلام کے مطابق ہی کہا جا سکتا ہے۔

اس کی وجہ یہ نہیں کہ اسلام مزدوروں پر ظلم کو جائز قرار دیتا ہے، یا اسلام میں مزدوروں کے حقوق کی وضاحت اور ان کے اہتمام کی تاکید نہیں ہے، یا اُن کی بابت اسلامی ریاست کو ذمے دار قرار نہیں دیتا؟ بلکہ اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات میں نہایت اعتدال اور توازن ہے، وہ اللہ کا بنایا ہوا نظام ہے اور اس میں تمام طبقات کے حقوق کا تحفظ کیا گیا ہے۔ اگر اس میں مزدوروں کی بابت نہایت اعلیٰ تعلیمات دی گئی ہیں جن کو ملحوظ رکھنا مزدوروں اور ملازمین کے لیے ضروری ہے۔ جب تک دونوں کے حقوق کا تعین اور ان کے تحفظ یکساں طور پر نہیں کیا جائے گا، کسی

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

بھی ملک کا نظام چل ہی نہیں سکتا۔

اس لیے علما کہتے ہیں کہ یک طرفہ قانون سازی (ون وے ٹریفک) اسلام کے خلاف ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ کوئی ریاست اگر صرف مزدوروں کے حقوق کے تحفظ کے لیے ایسے قانون بنائے جن میں دوسرے فریق (مالکان) کے حقوق نظر انداز کر دے، تو اس کا نتیجہ کیا ہو گا؟ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ملک کی تمام فیکٹریاں، کارخانے، ملیں، مارکیٹیں بند ہو جائیں گی۔ اور جن کے تحفظ کے لیے یک طرفہ قانون بنائے گئے ہوں گے، وہ سب بے روز گار ہو جائیں گے اور ان کو کھانے کے لالے پڑ جائیں گے۔ ملوں، کارخانوں کے مالک تو کارخانے بند کرنے کے بعد بھی ضروریاتِ زندگی فراہم کرنے کی پوزیشن میں رہیں گے لیکن مزدوروں کے پاس کون سا اندوختہ ہوتا ہے کہ وہ مزدوری اور ملازمت کے بغیر اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پال سکیں۔ علاوہ ازیں صنعت کا پہیہ جام ہو جانے سے خود حکومت کو جو ٹیکسوں سے محرومی ہو گی، اس کے بعد نظام حکومت کس طرح چل سکے گا؟

ایک ہی فریق کے حقوق کے تحفظ کی یہ یک طرفہ کارروائی کتنی بھیانک اور خطرناک ہے، جس سے اللہ کی ہزار بار پناہ۔ مزدور بھی صدائے احتجاج بلند کرنے پر مجبور ہوں گے کہ یہ کیا ہمارے حقوق کا تحفظ ہے کہ ہم بے روز گار ہو گئے اور دو وقت کی روٹی کھانا بھی مشکل ہو گئی ہے۔

اس لیے ریاست کی ذمے داری صرف کسی ایک ہی فریق کے حقوق کا تحفظ نہیں ہے بلکہ اس سے متعلقہ دوسرے فریق کے حقوق کا تحفظ بھی ہے۔ اگر ایک فریق، دوسرے فریق پر ظلم کرتا ہے تو بلاشبہ ریاست کی ذمے داری ہے کہ وہ مظلوم کی دادرسی کرے اور ایسے قانون بنائے کہ ظلم کا راستہ بند ہو جائے۔ لیکن اس میں قطعاً نہ کوئی معقولیت ہے اور نہ اس کا حق ہے کہ ایک فریق کے تحفظ کے لیے ایسی قانون سازی کرے کہ دوسرے فریق کے حقوق اس سے متاثر ہوں۔

① کیا صرف مرد ہی عورت پر ظلم کرتا ہے؟

تحفظ نسواں بل میں پہلی خرابی یا مفروضہ یہ ہے کہ پاکستان میں صرف عورتوں پر ظلم ہوتا ہے اور اس کے ذمّہ دار مرد ہیں۔ اس لیے عورتوں کے حقوق کا تحفظ ضروری ہے۔

اوّل تو یہ صرف مفروضہ ہے اور پروپیگنڈہ ہے کہ ہر صورت میں عورت مظلوم اور مرد ظالم ہے۔ حالانکہ ہمارے معاشرے میں جہالت اور اسلامی تعلیمات سے بے خبری عام ہے جس کی وجہ سے اگر

کبھی مرد عورت پر ظلم کرتا ہے، تو عورت بھی کم و بیش کے کچھ فرق کے ساتھ اس معاملے میں مرد سے پیچھے نہیں ہے، وہ بھی مختلف انداز سے مرد پر ظلم کرتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ عورت میں صبر اور مرد کے مقابلے میں نسبتاً حوصلے کی کمی ہے (عورت مانے یا نہ مانے، یہ چیز فطری ہے)۔ اگر اس پر ظلم ہوتا ہے تو وہ واویلا کرتی ہے، اور مغربی فنڈز پر پلنے والی این جی اوز بھی اس کو، نمک حلالی کے طور پر خوب اُچھالتی ہیں۔ جب کہ مرد کے اندر عزم و حوصلہ زیادہ ہے، وہ عورت کی طرف سے کی گئی زیادتی کو بالعموم نظر انداز کر دیتا ہے جیسا کہ اس کو کرنا بھی چاہیے کہ اسلام کی تعلیمات بھی یہی ہیں اور اس کی قوامیت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس کے بغیر گھر کا نظام چل ہی نہیں سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں ۹۰ فیصد گھرانوں میں چھوٹے موٹے تنازعات کے باوجود عورت امن و سکون کی زندگی گزار رہی ہے اور اس کو اُن مسائل کا قطعاً سامنا نہیں کرنا پڑتا جن کے لیے بل کی صورت میں پاپڑ بیلے گئے ہیں۔ صرف ۱۰ فیصد گھرانے بہ مشکل ایسے ہوں گے جہاں ایک دوسرے پر ظلم کیا جاتا ہے جو کبھی عورت کی طرف سے ہوتا ہے اور کبھی مرد کی طرف سے اور کبھی اس میں دونوں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ ان صورتوں میں صرف مرد ہی کو ظالم تصور کر کے قانون سازی کرنا اور وہ بھی یک طرفہ قطعاً غیر معقول ہے۔

ہماری بات پر یقین نہ آئے تو ایک کونسلر اور ماہر نفسیات لیڈی ڈاکٹر کے مشاہدات ملاحظہ فرمالیں: ان کا نام فوزیہ سعید ہے وہ ایک مضمون بعنوان 'کیا صرف مرد ذمے دار ہے؟' تصویر کا دوسرا رخ میں لکھتی ہیں:

> "۸ رمارچ خواتین کا عالمی دن پوری دنیا میں منایا جاتا ہے جس میں خواتین کو خراجِ تحسین پیش کیا جاتا ہے، جگہ جگہ سیمینار کیے جاتے ہیں۔ وہاں مردوں کے ظلم کی داستانیں اس طرح بڑھا چڑھا کر بیان کی جاتی ہیں کہ کچھ لوگ رونے لگتے ہیں۔ ۲۰۱۵ء کو میں نے کافی ورلڈ ویمن ڈے اٹینڈ کیے، تمام کا فوکس مردوں کے ظلم، عورتوں کو جلائے جانے کے واقعات، عورتوں پر پھینکے گئے تیزاب یا تعلیمی میدان میں آگے نہ بڑھنے دینے یا وقت سے پہلے شادی کر کے ان کے حقوق غصب کرنے یا عمر گزر جانے پر بھی شادی نہ ہونے، جائیداد میں ان کے حقوق پامال کرنے کو نمایاں طور پر بیان کیا گیا۔ بطورِ ماہر نفسیات میں نے نہایت ہی سوچ بچار کے بعد یہ تجزیہ کیا کہ ۸۰ فیصد واقعات میں عورتوں کا اپنا قصور ہوتا ہے۔ میں ایک کونسلر ہوں، میں

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

نے دیکھا ہے کہ ہر ظلم کے پیچھے اکیلا مرد ذمے دار نہیں، اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی عورت بھی برابر کی شریک ہوتی ہے۔ بلکہ آپ بلا تعصب جائزہ لیں تو جو مرد ظلم کرتا ہے اس کے پیچھے کسی نہ کسی عورت کا ہاتھ ہوتا ہے۔ وہ عورت اس کی ماں بھی ہو سکتی ہے،، بہن بھی، بھابھی بھی، یا جدید دور کی نیو رشتے دار گرل فرینڈ بھی ہو سکتی ہے۔ پھر الزام مرد پر ہی کیوں؟

اگر آپ بلا تعصب تحقیق کریں تو معلوم ہو گا کہ حقوقِ نسواں پر بے شمار این جی اوز پر کام کر رہی ہیں اور مردوں کے ساتھ کیے گئے ظلم پر کوئی ایک یا دو این جی اوز ہیں۔ عورتوں پر ظلم کی بات کو اُچھالا جاتا ہے مگر اس کا کوئی حل یا جڑ سے ختم نہیں کیا جاتا، جڑ میں اصل مجرم کوئی نہ کوئی عورت کسی نہ کسی روپ میں بیٹھی اپنے بیٹے، بھائی، دیور، خاوند کو بہکار ہی ہوتی ہے۔

عورت پر ظلم کیا جاتا ہے، میں اتفاق کرتی ہوں، مردوں کی سوسائٹی ہے۔ مگر مردوں کو پالنے اور پروان چڑھانے والی اور شیر کا جگر دینے والی عورت ہی ہوتی ہے۔ مردوں کو دوسری شادی پر اکسانے والی بھی کوئی نہ کوئی عورت ہی ہوتی ہے جو اپنے بھائی یا بیٹے کو کہتی ہے، بیوی کو آگ لگا دو، تیزاب پھینک دو، طلاق دے دو، ہم تمہارے لیے نئی بیوی لے آئیں گے، کسی طرف کوئی گرل فرینڈ یہ جانتے ہوئے کہ مرد شادی شدہ ہے، بچوں کا باپ ہے، اس کے پیچھے لگ جاتی ہے اور کسی عورت کا گھر تباہ کر دیتی ہے اور بدنام مرد ہوتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مرد کو اپنی عقل سے سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا چاہیے۔ نپولین بوناپارٹ نے کہا تھا: مجھے اچھی مائیں دو میں تمہیں اچھی قوم دوں گا۔" گویا ذمے داری عورت پر آن پڑی ہے کہ اچھے مردوں کو جنم دینے والی عورت ہی ہے، ذمے داری ماں پر آگئی ہے کہ وہ اپنے بچے کو کیسے پروان چڑھاتی ہے اور اسے دوسری عورت کے حقوق ادا کرنے کی تعلیم دیتی ہے یا عورت کے حقوق غصب کرنے پر اکساتی ہے، عورت کو چاہیے کہ وہ اپنی حفاظت کرنا سیکھے۔ عورت اگر چاہے تو چاروں طرف شانتی اور سکھ کے پھول بکھیر سکتی ہے، عورت کا دل اس کے دماغ پر حکومت کرتا ہے، اس کو کمزور کہنا اس کی توہین ہے۔ آؤ اس دن عہد کریں کہ ہم اپنی حفاظت کا ذمہ خود لیں گی:

ایسے رہا کرو کہ کریں لوگ آرزو　　　ایسے چلن چلو کہ زمانہ مثال دے"[1]

۱　روزنامہ نوائے وقت، لاہور، تین ایڈیشن، ۲۱ مارچ ۲۰۱۶ء

یہ ایک پڑھی لکھی، تجربہ کار، ماہر نفسیات اور کونسلر خاتون کی طرف سے ان لوگوں کی پرزور تردید ہے جو کہتے ہیں کہ ظلم صرف مرد ہی کی طرف سے ہوتا ہے اور سنیے صرف ایک ہی دن کے دو واقعات، جو اخبار میں رپورٹ ہوئے، دونوں میں ظالم مرد نہیں، عورت ہے:

"میاں بیوی فوزیہ اور اکرم شاہد کا خرچ نہ دینے پر گھر میں جھگڑا ہوا جس کے بعد فوزیہ بی بی نے اپنے بھائی کو بلا لیا اور دونوں بہن بھائیوں نے مل کر کلہاڑی مار کر ۳۵ سالہ شوہر کو شدید زخمی کر دیا جسے زخمی حالت میں ہسپتال میں داخل کروا دیا گیا۔ (یہ گوجرانوالہ کا واقعہ ہے)"[1]

اسی تاریخ کو عورت کے ظلم اور سنگ دلی کا دوسرا واقعہ یہ نقل ہوا ہے کہ

"بچوں کی آپس کی لڑائی میں شفقت بی بی نے دو سالہ بچے محمد حسنین کا گلا دبا کر اسے قتل کر دیا۔[2] (یہ سرگودھا کا واقعہ ہے)"

ایک اور خبر ملاحظہ ہو: "بے اولاد خاتون نے سوتن کا سوا ماہ کا بیٹا زمین پر پٹخ کر مار ڈالا۔"[3]

اس تفصیل سے یہ واضح ہے کہ زیر بحث بل کا پہلا سبب ہی حقائق پر مبنی نہیں کہ عورتوں پر تشدد ہوتا ہے بلکہ مفروضے پر قائم ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ظلم دونوں ہی طرف سے ہوتا ہے۔ ریاست کی ذمے داری ہے کہ وہ ظلم و تشدد کا سدّباب کرے۔ کسی ایک ہی فریق کو ظالم باور کر کے یا کرا کے یک طرفہ قانون سازی بجائے خود ایک ظلم ہے جو آئین پاکستان کے خلاف ہے، اسلام کے بھی خلاف ہے اور عدل و انصاف کی مسلّمہ روایات کے بھی۔ عدل، آئین اور اسلام کا تقاضا تو یہ ہے کہ جو واقعی ظالم ہیں، ان کو کٹہرے میں کھڑا کیا جائے نہ کہ اپنے طور پر کسی ایک فریق یا جنس کو ظالم فرض کر کے اس کے خلاف قانون سازی کی جائے۔

ہمارے ملک میں کون سا طبقہ ایسا ہے جو ظلم و تشدد سے محفوظ ہے؟ عورتیں تو بالعموم پھر بھی گھروں میں رہتی ہیں، سارے بیرونی کام مرد ہی کرتے ہیں لیکن ہمارے ملک میں مردوں کو قدم قدم پر ظلم کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۱　روزنامہ آواز، ص ۲، ۱۲ اپریل ۲۰۱۶ء
۲　روزنامہ آواز، ایضاً
۳　روزنامہ ایکسپریس، ص ۱۰، ۱۴ اپریل ۲۰۱۶ء

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

عورتوں پر ظلم وتشدد کی صورتیں تو قطعاً اتنی عام نہیں ہیں جتنا پروپیگنڈے کے ذریعے سے باور کرایا جارہا ہے لیکن اس کے سدّباب کے لیے تو حکومت کی 'پھرتیاں' ایک ناقابل فہم معمہ ہے، البتہ ایک پہلو قابل فہم ہے کہ یہ مغربی ایجنڈا ہے۔ لیکن ملک سے رشوت کا خاتمہ ہو، کرپشن کا انسداد ہو، عوام کے مسائل کے حل کے لیے کوئی آسان میکانزم تیار ہو، سرکاری اہل کاروں کی لوٹ کھسوٹ کا خاتمہ ہو جس نے عوام کی زندگی اجیرن بنا رکھی ہے۔ مغرب کو چونکہ اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اس لیے مردوں کی عزتِ نفس کا یہ مسئلہ، جو حکومت کی ترجیحات میں سرفہرست ہونا چاہیے، حکومت مردوں کے اس اہم ترین مسئلے سے یکسر غافل ہے۔ ایں چہ العجبی است!

علاوہ ازیں کیا یہ 'صنفی امتیاز' نہیں جس کی نفی آئین پاکستان میں کی گئی ہے کہ عورتوں کے مفروضہ ظلم وتشدد کے خلاف تو قانون سازی؟ لیکن مرد موجودہ نظام میں واقعۃً اور حقیقۃً گوڈے گوڈے ظلم وتشدد میں ڈوبے ہوئے ہیں لیکن ان کی دادرسی کا اور ان کو ظلم سے بچانے کا کوئی اہتمام نہیں۔ ﴿تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۝﴾ (سورۃ النجم)

② عورتوں پر ناجائز تشدد ہوتا ہے!

بل میں دوسرا مفروضہ یہ کارفرما ہے۔ پھر اس تشدد کی بھی مغربیت کی نقالی میں کئی صورتیں بیان کی گئی ہیں جس کی تفصیل ممکن ہوا تو ہم ان شاء اللہ آگے چل کر بیان کریں گے۔

اول تو جسمانی تشدد کا مسئلہ بھی ایسا ہے کہ اسے مغربی ذہن نے، جو اسے بل کی ایک ایک شق میں کارفرما ہے، ہوّا بنا کر پیش کیا ہے اور مسلسل اس کا پروپیگنڈہ کیا ہے اور کررہا ہے۔ حالانکہ یہ مسئلہ اس طرح نہیں ہے جس طرح پیش کیا جارہا ہے۔ بلکہ اس کا تعلق اصل میں اس حاکمیت اور قوامیت سے ہے جو گھر کا نظام چلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مرد کو عطا کی ہے۔ اگر گھر کا نظام چلانے میں مرد اور عورت دونوں کو یکساں اختیارات دیے جاتے تو کبھی بھی گھر کا نظام خوش اُسلوبی کے ساتھ نہیں چل سکتا تھا۔ جیسے کسی مملکت میں ایک کے بجائے دو سربراہ (چیف ایگزیکٹو) ہوں تو اس مملکت کا نظام نہیں چل سکتا۔ لازم ہے کہ چیف ایگزیکٹو ایک ہی ہو، اس کی بالادستی کو چیلنج نہ کیا جاسکتا ہو، باقی عہدہ دار (گورنر، وزراء اور دیگر افسران اعلیٰ) سب اس کے ماتحت ہوں۔ جب سے یہ کائنات معرضِ وجود میں آئی ہے، یہی اختیارات کی مرکزیت نظام کائنات میں بھی کارفرما ہے جس کی وجہ سے اتنی وسیع وعریض کائنات بغیر کسی ادنیٰ خلل کے چل رہی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا بلکہ تدبیر کائنات میں کسی اور کی بھی شرکت

ہوتی تو سارا نظام درہم برہم ہوجاتا۔ ﴿لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ (سورۃ الانبیاء:۲۲)

"اگر آسمان وزمین میں کئی معبود ہوتے تو یہ سارا نظام درہم برہم ہوجاتا۔"

مرد اور عورت کو بنانے والا صرف اللہ ہے اور وہی ان کی فطرت، جذبات، میلانات کو جاننے اور سمجھنے والا ہے۔ جیسے کسی مشین کا موجد ہی سمجھتا ہے کہ وہ کس طرح صحیح طریقے سے کام کرے گی، اس کو کسی اور طریقے سے چلایا جائے گا تو وہ کبھی کامیابی سے نہیں چل سکے گی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کو دو الگ الگ جنسوں کے طور پر پیدا فرمایا ہے اور وہی جانتا تھا کہ ان دو جنسوں کا جب ملن ہوگا تو زندگی کا یہ ملن کس طرح کامیاب رہے گا اور انسانی زندگی کی گاڑی شاہراہِ زندگی میں کس طرح اپنا سفر زندگی صحیح طریقے سے طے کرسکے گی۔

اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے دونوں کے حقوق وفرائض بھی طے کردیے اور تاکید کردی کہ دونوں اپنے اپنے فرائض ادا کریں تاکہ دونوں کے حقوق ادا ہوجائیں۔ ان احکامات کی پابندی کی صورت میں دونوں کی زندگی نہایت خوش گوار ماحول میں گزرتی ہے لیکن اگر عورت کی طرف سے نُشوز کا اظہار ہو جس کا مطلب ہے کہ مرد کی حاکمیت وبالادستی کو وہ چیلنج کرے اور خود بالادست بننے کی کوشش کرے تو چونکہ یہ فطرت اور احکام الٰہیہ کے خلاف ہے، اس سے یقیناً گھر کا نظام خلل اور فساد کا شکار ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس صورت میں بطورِ علاج تین تدبیریں اختیار کرنے کا حکم دیا ہے:

﴿وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ﴾ (النساء:۳۵)

عورت کو وعظ ونصیحت کے ذریعے سے سمجھایا جائے۔ (یہ کارگر نہ ہو تو)

ان سے گھر کے اندر بستر الگ کرلو۔ (اس سے بھی وہ نہ سمجھے تو)

ان کی سرزنش کرو (ہلکی سی مار سے ان کو راہِ راست پر لاؤ)۔

﴿وَاضْرِبُوْهُنَّ﴾ "ان کو مارو" یہ اللہ کا حکم ہے۔ کسی مفسر، عالم یا فقیہ کا اجتہاد یا توضیح نہیں، صاف اور واضح حکم ہے لیکن اس کا مطلب تشدد یا ظلم ہرگز نہیں، نہ ہی اس کی اجازت ہے۔

یہ اصلاح کے لیے ایک تادیبی حکم ہے اور تادیب وتنبیہ کا حق ہر سربراہ کو حاصل ہوتا ہے لیکن اس تادیبی حکم کا تعلق چونکہ میاں بیوی سے ہے جن کے درمیان فرمانِ رسول ﷺ کی رو سے ایسی مثالی محبت ہوتی ہے جس کی کوئی نظیر نہیں۔ اس لیے حامل قرآن اور پیغمبر اسلام ﷺ نے اس ضرب (سرزنش) کی وضاحت فرمادی کہ یہ 'غیر مبرح' ہو، یعنی ایسی مار کہ جس سے اس کو نہ ایذا پہنچے اور نہ کوئی

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

زخم۔ اسی طرح چہرے سے اجتناب کیا جائے۔ علاوہ ازیں اس کی مزید حوصلہ شکنی کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تادیب کے طور پر بھی ایسا کرنے والے بہتر لوگ نہیں ہیں۔ مزید فرمایا کہ یہ کون سی دانش مندی ہے کہ صبح کو مارے اور رات کو پھر اس کی آغوشِ محبت میں پناہ لے۔

چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ شاید ہی چند فی صد گھرانے ایسے ہوں گے کہ جہاں عورت کو اس قسم کی سرزنش سے واسطہ پڑتا ہو ورنہ الحمدللہ بیشتر گھرانوں میں اس کی نوبت نہیں آتی اور جہاں کہیں بھی اس کی نوبت آتی ہے تو اکثر وبیشتر اس کی وجہ عورت کی ہی بدزبانی، بد اخلاقی، یا نافرمانی ہوتی ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کے اس تادیبی حکم اور اجازت کو ظلم وتشدد سے تعبیر کرنا ہر لحاظ سے غلط بھی ہے اور خلافِ واقعہ بھی۔ یہ وہ تشدد ہرگز نہیں ہے جس کے لیے اتنی لمبی چوڑی قانون سازی کی گئی ہے۔ یہ بلاجواز اور حکم قرآنی کے یکسر خلاف ہے۔

③ پولیس کو مداخلت کا حق دینا؟

اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے باہمی تعلق، ان کے مابین محبت وقربت اور ان کی پرائیویسی کو ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ (البقرۃ:۱۸۷) کے نہایت بلیغ الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے کہ ”وہ عورتیں تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔“ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ خانگی معاملات اور باہمی تنازعات، یہ ایسے معاملات نہیں ہیں کہ ان میں سوائے ناگزیر حالات کے کسی اور کو دخل دینے کی ضرورت ہو، وہ لباس کی طرح ایک دوسرے سے جڑے ہوئے، دوسرے تمام لوگوں سے بے نیاز ہیں۔

ان خانگی معاملات کو، جرائم بنا کر، پولیس کو ان میں مداخلت کا حق دینا، یا عورت کو یہ اختیار دینا کہ وہ فون کرکے مرد کو حوالہ پولیس کر دے۔ یہ قرآن کے مذکورہ پرائیویسی کے حکم کے بھی خلاف ہے اور یہ ایسی غیر دانش مندانہ تدبیر ہے کہ جو عورت بھی ایسا کرے گی وہ اپنے پیروں پر ہی کلہاڑی مارے گی۔ جب کوئی عورت مرد کی بالادستی کو چیلنج کرے گی تو کوئی بھی مسلمان مرد اتنا بے غیرت نہیں ہے کہ وہ اس بے غیرتی کو برداشت کرلے۔ یہ صورت حال ایسی ہے جہاں بھی عورت کی حفاظت کے ٹھیکے داروں اور ٹھیکے دارنیوں کی طرف سے بنائے ہوئے اس قانون کو کوئی عورت اختیار کرے گی تو مرد آخر مرد ہے، وہ گھر کا مالک ہے، عورت کا کفیل ہے، وہ اللہ کا بنایا ہوا گھر کا سربراہ ہے۔ وہ اس بے عزتی اور بے

بسی ولاچارگی کو کب برداشت کرے گا، وہ کڑا پہننے کے بجائے اپنا یہ لباس ہی اُتار پھینکے گا، یعنی عورت ہی کو طلاق دے کر فارغ کردے گا۔ یعنی جب اُن کو محب اور محبوب کے رشتے سے جدا کرکے ایک دوسرے کا دشمن قرار دے کر قانون ایک کے ہاتھ میں ہتھیار دے کر دوسرے پر حملہ آور ہونے کا اختیار دے گا تو دوسرا بھی محبت کے بجائے دشمن بن جائے گا اور اس کے ہاتھ میں خدائی اختیار 'حق طلاق' ہے۔ وہ عورت کے وار کرنے سے پہلے ہی اپنا وار کرکے اس کا کام تمام کردے گا، یعنی اس کو طلاق دے دے گا اور پولیس جو ہتھکڑی یا کڑا مرد کو لگانے یا پہنانے کے لیے آئے گی، مرد اس کو کہے گا کہ اس عورت کو شیلٹر ہوم میں پہنچادو، اس سے میرا اَب کوئی تعلق نہیں ہے، میں نے اس کو طلاق دے کر اپنی زوجیت ہی سے خارج کردیا ہے۔ یہ محض افسانہ سازی یا افسانہ سرائی نہیں ہے، یہ مستقبل کا وہ نقشہ ہے جو اس بل کے نفاذ کے بعد سامنے آئے گا۔

اور فرض کرلو کہ کوئی مرد اس بے غیرتی کو برداشت کرتے ہوئے اپنے کو حوالہ پولیس کرکے چند روز کے لیے گھر سے بے گھر ہونا گوارا کرے گا تو اس کے پیچھے دو صورتیں ہوں گی:

اس گھر میں اس کی بیوی کے ساتھ، مرد کی ماں، اس کی بیٹیاں، بھابیاں وغیرہ بھی رہائش پذیر ہوں گی تو ماں سمیت ان عورتوں پر کیا گزرے گی؟ اور ان عورتوں کے دلوں میں اس خاتون کی کیا عزت باقی رہ جائے گی جس نے اپنے سر کے تاج کو پس دیوارِ زنداں دھکیل دیا؟

دوسری صورت کہ اس گھر میں صرف میاں بیوی ہی رہنے والے ہوں گے۔ مرد کے گھر سے نکل جانے کے بعد اکیلی عورت کیا محفوظ ہوگی؟ اور اگر عورت بدکردار ہوگی تو اس تنہائی کو کیا وہ اسی طرح 'یوز' نہیں کرے گی جس طرح مغربی عورت کرتی ہے۔ یہ صورت تو یقیناً اس بل کے خالقوں کے نزدیک 'آئیڈیل' ہوگی کہ مسلمان عورت کو پاکستان میں بھی وہ کھیل کھیلنے یا رنگ رلیاں منانے کا موقع میسر آجائے گا جو مغرب میں عام ہے۔

ماشاء اللہ! چشم بد دور، کیا خوب تحفظِ حقوق نسواں ہے؟!

④ قرآن کریم میں اس مسئلے کا پہلے سے حل موجود ہے!

اسلام اللہ تعالیٰ کا دین ہے اور ہر طرح سے مکمل ہے جس کی تکمیل کا اعلان بھی اللہ نے سورۂ مائدہ کی آیت میں کیا ہے۔ لیکن بل کی ساری بنیاد اور اس کی ساری شقیں اس مفروضے پر قائم ہیں کہ اسلام

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

میں مرد وعورت کے باہمی تنازعات کا کوئی حل ہی نہیں۔ اب ساڑھے چودہ سو سال کے بعد اس 'خلا' کے پر کرنے کی 'سعادت' پنجاب حکومت کو حاصل ہو رہی ہے۔

کیا یہ مفروضہ صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ... الآية ﴾ نعوذ باللہ غلط ہے۔ اور اگر مفروضہ غلط اور اللہ کا فرمان صحیح ہے تو پھر یہ ساری قانون سازی ع اِیں دفتر بے معنیٰ، غرق مئے ناب اولیٰ کی مصداق ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ یقیناً صحیح ہے، جو اس میں شک کرتا ہے وہ اپنے ایمان کی خیر منائے۔ اللہ تعالیٰ نے خانگی زندگی کی استواری اور خوش گواری کے لیے اتنی ہدایات اور ایسی اعلیٰ تعلیمات ہمیں دی ہیں کہ اگر دونوں میاں بیوی ان کا خیال رکھیں اور ان پر صحیح معنوں میں عمل کریں تو نہایت خوش گوار زندگی گزرتی ہے اور گھر جنت کا نمونہ بن جاتا ہے۔ اور اگر بوجوہ عدمِ موافقت یا فریقین میں سے کسی ایک کے غلط رویے کی وجہ سے کچھ اختلافات رونما ہو جائیں تو اس کا بھی بہترین حل قرآن کریم ہی میں بیان فرما دیا گیا ہے۔ جن میں سے تین تدبیریں تو وہی ہیں جو پہلے مذکور ہوئیں۔ سمجھ دار عورت تو بغیر کسی اور کی مداخلت کے، بالعموم ان تدابیر ہی سے اپنا رویہ درست کر لیتی ہے لیکن اگر اس طرح مسئلہ حل نہ ہو تو چوتھی تدبیر کی صورت میں دوسرا حل یہ بیان فرمایا کہ

﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَاۤ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا... ﴾ (النساء:۳۵)

"دو حَکَم (ثالث) ان کا فیصلہ کریں۔ ایک میاں کے خاندان سے ہو، دوسرا بیوی کے خاندان سے۔ دونوں ثالث اگر صلح کرانے میں مخلص ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ضرور مصالحت ومفاہمت کی صورت پیدا فرما دے گا۔"

بصورتِ دیگر آخری چارہ کار کے طور پر پھر ان کے درمیان جدائی کرا دی جائے گی۔ علماء نے اس کو تَوکِیل بِالفُرقۃ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ یعنی اگر یہ ثالث صلح کرانے میں ناکام رہیں تو پھر یہ بطور وکیل ایک دوسرے کی جدائی کا فیصلہ کر دیں۔ یہ فیصلہ طلاق کے قائم مقام ہو جائے گا۔

⑤ اسلام بہر صورت زوجین کے ملنے کے امکانات باقی رکھتا ہے!

اللہ تعالیٰ نے مرد کو طلاق کا حق دیا ہے اور یہ حق پوری زندگی میں صرف دو مرتبہ ہے جس میں وہ

رجوع کر سکتا ہے۔ اس حق کو بھی صرف اسی لیے محدود کیا گیا ہے کہ کوئی مرد عورت پر ظلم نہ کر سکے۔ ورنہ اسلام سے پہلے یہ حق غیر محدود تھا جس کی وجہ سے ایک شخص اگر چاہتا کہ وہ عورت کو نہ صحیح طریقے سے آباد کرے اور نہ اسے آزاد کرے کہ وہ کسی اور جگہ شادی کر لے، تو وہ یہ کرتا تھا کہ طلاق دیتا اور عدت گزرنے سے پہلے رجوع کر لیتا۔ یہ سلسلہ ظلم وہ جب تک چاہتا، جاری رکھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حق طلاق کی حد بندی کر کے اس ظلم کا انسداد کر دیا۔

دوسرا حکم یہ دیا کہ طلاق صرف ایک ہی دی جائے، وہ بھی اشتعال اور غصے میں نہیں کہ ذرا سا جھگڑا ہوا اور طلاق دے دی۔ بلکہ اوّل تو طلاق کو سخت ناپسندیدہ عمل قرار دیا، تاہم بعض حالات میں چونکہ اس کے بغیر چارہ نہیں ہوتا اس لیے اس کی اجازت بھی عنایت فرمائی۔ لیکن اس کا طریقہ یہ بتلایا کہ اگر نباہ کی کوئی صورت نہ بنے تو پھر عورت کے پاک ہونے کا انتظار کرو۔ اس طرح حالتِ طُہر میں اس سے صحبت کیے بغیر صرف ایک طلاق دو۔ ایک ہی وقت میں تین طلاقوں کو رسول اللہ ﷺ نے کتاب اللہ کے ساتھ کھلواڑ کرنا قرار دیا اور اس پر سخت برہمی کا اظہار فرمایا۔ اس طریقۂ طلاق میں بڑی حکمت ہے۔ زیادہ طلاقیں جہالت کے علاوہ غصے اور اشتعال میں دی جاتی ہیں۔ اگر فوری طلاق نہ دی جائے بلکہ حیض سے پاک ہونے پر حالتِ طہر میں بغیر جنسی تعلق قائم کیے طلاق دینے کے وقت کا انتظار کیا جائے تو پچاس فیصد طلاق کے واقعات ویسے ہی کم ہو جائیں گے۔ کیونکہ طہر کے انتظار تک غصہ فرو اور اشتعال ختم ہو جاتا ہے اور طلاق دینے کی نوبت ہی نہیں آتی۔

تیسرا حکم یہ دیا کہ پہلی طلاق دینے کے بعد، اسی طرح دوسری مرتبہ طلاق دینے کے بعد، طلاق کی عدت تین حیض یا تین مہینے ہیں، عدت کے ان ایام میں پہلی اور دوسری طلاق میں عورت کو گھر سے نہیں نکالنا۔ (سورۃ الطلاق) بلکہ وہ عدت، طلاق یافتہ ہونے کے باوجود بھی، خاوند کے گھر ہی میں گزارے۔ اس کی حکمت یہ بتلائی گئی ہے کہ شاید خاوند کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے، بیوی کے گھر ہی میں ہونے کی وجہ سے بیوی کی محبت اسے دوبارہ ملن پر مجبور کر دے یا بچوں کے بے سہارا ہونے کا احساس اس کو اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنے پر مجبور کر دے، یا بیوی کی بے چارگی کا احساس اس کے اندر رحم وشفقت کا جذبہ پیدا کر دے اور وہ رجوع کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ ایسی صورتوں میں پہلی اور دوسری طلاق میں خاوند کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق حاصل ہے اور یہ مرد کا ایسا حق ہے کہ عورت یا عورت کے گھر والوں کو انکار کرنے کا حق نہیں ہے۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ایک، ایک طلاق دینے کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ پہلی دونوں طلاقوں میں اگر عدت گزرنے کے بعد، ان کے درمیان صلح کی صورت بن جائے تو بالاتفاق دوبارہ نکاح سے ان کا تعلق بحال ہو سکتا ہے۔

اگر پہلی اور دوسری طلاق میں، جیسا کہ اللہ کا حکم[1] ہے، عورت خاوند ہی کے گھر میں رہے تو اس سے بھی طلاقوں کے بعد بھی پچاس فیصد گھر اُجڑنے سے محفوظ رہ سکتے ہیں اور جدائی کے لمحات جلد ہی ملن میں بدل سکتے ہیں۔

اس تفصیل سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ شریعت میں میاں بیوی کے تعلق کو اتنی اہمیت اور طلاق کے باوجود ان کی قربت کا ایسا اہتمام کیا گیا ہے کہ یہ فراق جلد ہی وصال میں اور نفرت محبت میں تبدیل ہو جائے اور ٹوٹا ہوا رشتہ دوبارہ بحال ہو جائے۔ اس تفصیل سے ایک دوسرا پہلو یہ بھی واضح ہوا کہ اس قرآنی حکم کی روح اور خود ساختہ بل کی روح میں کس طرح بعد المشرقین ہے۔

روحِ قرآنی یہ ہے کہ اختلاف اور کشیدگی، حتیٰ کہ طلاق کے باوجود بھی، میاں بیوی کے درمیان کشیدگی کو ختم کیا جائے اور ان کو دوبارہ باہم جڑنے کے مواقع مہیا کیے جائیں اور مغربی روح میں ڈوبے ہوئے بل کی روح یہ ہے کہ میاں بیوی کو ایک دوسرے سے اتنا دور کر دیا جائے اور ان کے درمیان نفرت کی ایسی دیوار کھڑی کر دی جائے کہ عدم طلاق کے باوجود ان کا ملن ناممکن ہو جائے۔ بل میں اس کا مکمل اہتمام کیا گیا ہے۔ ایک تو مرد کو گھر سے باہر نکال کر شیلٹر ہوم میں بھیجنا، اس کی مردانگی اور غیرت کو چیلنج کرنا، پھر ان کو آپس میں بالکل قریب نہ آنے دینا کہ کہیں یہ دونوں باہم مل کر تلافی اور ازالہ کا اہتمام نہ کرلیں اور یوں اُن کے درمیان صلح ہو جائے۔

اندازہ کیجئے کہ اس بل کے اندر کس طرح شیطانی روح کو مکمل طور پر گھسیڑ دیا گیا ہے کہ میاں بیوی کے ملاپ کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔ جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ شیطان اپنے اس چیلے کو اس کی اس 'حسن کارکردگی' پر سب سے زیادہ شاباش دیتا ہے جو آکر اس کو یہ رپورٹ دیتا ہے کہ آج میں نے فلاں میاں بیوی کے درمیان جدائی کروا دی ہے۔[2] یہ بل نافذ ہو گیا تو مغرب کا شیطان بھی اپنے پاکستانی چیلوں کے اس کارنامے پر بڑا خوش ہو گا کہ انہوں نے بھی اس بل کے ذریعے سے پاکستان کے

1 لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ (سورۃ الطلاق:۱)

2 فَيَقُولُ: مَا تَرَكْتُهُ حَتَّى فَرَّقْتُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهِ، قَالَ: فَيُدْنِيهِ مِنْهُ وَيَقُولُ: نِعْمَ أَنْتَ (صحیح مسلم:٦٧)

خاندانی نظام کو تباہ کرنے کا پورا 'سروسامان' مہیا کر دیا ہے۔ ؏ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

اس کے باوجود ڈھٹائی اور دیدہ دلیری کی انتہا ہے کہ کہا جا رہا ہے کہ بتلاؤ، اس کی کون سی شق خلاف اسلام ہے۔ سچ ہے: مستند ہے ان کا فرمایا ہوا!!

واقعی بل بنانے والے جس 'اسلام' کو جانتے ہیں، اس کی رو سے اس کی ایک ایک شق 'اسلامی' ہے، کیونکہ ان کے اسلام میں مرد و عورت کے درمیان حجاب نہیں ہے۔ رقص و سرود تفریح ہے، موسیقی روح کی غذا ہے۔ فلموں، ڈراموں اور ٹی وی پروگراموں میں جو حیا باختہ تہذیب رات دان پیش کی جا رہی ہے، وہ اسلامی تعلیمات کا 'اعلیٰ نمونہ' ہیں۔ مخلوط تعلیم ناگزیر ہے، عورتوں کا مردوں کے دوش بدوش ملکی ترقی میں اور زندگی کے ہر شعبے میں حصہ لینا بھی نہایت ضروری ہے۔ وغیرہ وغیرہ

جن کا 'اسلام' یہ ہے تو ان کا بنایا ہوا بل غیر اسلامی کس طرح ہو سکتا ہے؟

علما بے چارے چونکہ اس 'اسلام' سے ناآشنا ہیں، اس لیے وہ اس کے غیر اسلامی ہونے کے دہائی دے رہے ہیں۔ دونوں اپنی اپنی جگہ سچے ہیں، کیونکہ دونوں کا اسلام ایک دوسرے سے مختلف ہے!!

بنابریں پہلے یہ واضح ہونا چاہیے کہ حکومت کی سرپرستی میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ اسلام ہے یا اسلام وہ ہے جو قرآنِ مجید کی شکل میں نازل ہوا، اور صاحب وحی، پیغمبر اسلام ﷺ نے اس کی توضیح و تفسیر، قولی اور عملی صورت میں۔ فرمائی اور آج وہ قرآن و حدیث میں محفوظ ہے۔ علمائے کرام تو صرف اسی کو اسلام سمجھتے اور جانتے ہیں جو قرآن و حدیث میں محفوظ ہے۔ اور یہ بل سراسر اس کے خلاف ہے جیسا کہ اللہ کی توفیق سے اس کی ضروری تفصیل ہم نے پیش کر دی ہے۔ والحمدللہ علی ذلک

وزرائے کرام، بل کے بانیانِ عظام، لیڈیانِ ذی احترام مل کر پڑھیں:

تو میندیش زغوغائے رقیباں
کہ آواز 'علماء' کم نہ کند رزقِ 'وزراء'

بطور نمونہ تنازعات کا جو خود ساختہ لمبا چوڑا خاکہ بل میں پیش کیا گیا ہے، اس میں لیڈی افسران کا تقرر ہے، عدالتوں کا قیام ہے، شیلٹر ہوم کی تعمیرات ہیں، پولیس کی دارو گیر ہے، اور گھر کے حاکم اعلیٰ کی تذلیل و توہین ہے، اسے کڑا پہنانا ہے، اور پتہ نہیں کیا کچھ ہے اور وہ بھی صرف عورت کے کہنے پر، بغیر ثبوت اور بغیر گواہوں کے۔ اس کے مقابلے میں اللہ کا بیان کردہ طریقہ کتنا آسان اور مختصر ہے۔ گویا

ہلدی لگے نہ پھٹکڑی، رنگ چوکھا آئے کے مصداق۔

کیا اس کے باوجود بل بنانے والوں کا یہ کہنا کہ اس بل میں کوئی چیز خلافِ شریعت نہیں ہے، صحیح

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ہے؟ سارا طریق کار اللہ کے بیان کردہ طریقے کے یکسر خلاف ہے، پھر بھی دعویٰ ہے کہ اس میں شریعت کے خلاف کچھ نہیں ہے۔

وہی قاتل، وہی شاہد، وہی منصف ٹھہرے　　　اقربا میرے کریں خون کا دعویٰ کس پر

بہر حال بل کے یہ چند بنیادی نکات ایسے ہیں جن کی رو سے یہ واضح ہے کہ یہ سارا بل الف سے لے کر ے تک قرآنی احکام اور نصوصِ شریعت کے یکسر خلاف ہے۔ اس کے بعد اس کی ایک ایک شق پر بحث یکسر غیر ضروری ہے۔ تاہم اگر ضروری ہوا تو اس کی لَغویت کو شق وار بھی واضح کر دیا جائے گا۔ بعون اللہ وتوفیقہ ﴿وَإِنْ تَعُودُوا نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ﴾ (الانفال:۱۹)

عورت کے اصل مسائل اور ان کا حل

حمایت کنندگان، یا بانیانِ بل کی طرف سے کہا جارہا ہے کہ علما اس کی مخالفت تو کر رہے ہیں لیکن کوئی متبادل حل پیش نہیں کر رہے ہیں، تو بات دراصل یہ ہے کہ بل میں جو مسائل پیش کیے گئے ہیں، وہ عورت کے اصل مسائل ہی نہیں ہیں۔ سارے بل کی عمارت مفروضوں پر کھڑی کی گئی ہے، اس لیے یہ بل

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج　　　تا ثریا می رود دیوار کج

کا آئینہ دار اور مصداق ہے۔ یا ہمارے اُردو محاورے کی رو سے کہا جاسکتا ہے:

ع　　اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی

اس کی کوئی شق بھی صحیح نہیں۔ البتہ اس میں میاں بیوی کے تنازعے کا ذکر ہے، یہ مسئلہ یقیناً موجود ہے لیکن اس کا جو بقراطی حل بل میں پیش کیا گیا ہے، وہ اتنا غلط ہے کہ اس سے عورت کو قطعاً کوئی تحفظ نہیں ملے گا، بلکہ وہ یکسر غیر محفوظ ہو جائے گی اور خاندان اور خاوند کی ہمدردیوں سے محروم ہو کر صرف حکومت کے رحم وکرم کی محتاج ہو کر رہ جائے گی۔ یہ اس کا تحفظ ہے یا اس کی بربادی؟

خرد کا نام جنوں رکھ دیا اور جنوں کا خرد　　　جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

بہر حال اگر حکومت عورت کے تحفظ میں مخلص ہے اور یہ واقعۃً اس کی ذمے داری بھی ہے، گو وہ ذمے دار سب ہی طبقوں کے تحفظ کی ہے، جیسا کہ ہم نے عرض کیا۔ علمائے اسلام عورت سمیت تمام طبقوں کا تحفظ چاہتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ علمائے کرام عورت کے ان حقوق کا تحفظ چاہتے ہیں جو اسلام نے اسے دیے ہیں کیونکہ وہ بجا طور پر سمجھتے ہیں کہ عورت کا تحفظ اسلام کے عطا کردہ حقوق ہی کے ذریعے سے ممکن ہے۔ اس سے انحراف کر کے عورت کے حقوق کا تحفظ نہیں، اس کی ہلاکت ہی کا سامان کیا جاسکتا ہے۔ حکومت کو عورت کے ان اسلامی حقوق سے، جو اس کی حفاظت کے اصل ضامن ہیں، کوئی غرض نہیں، وہ صرف ان نسوانی حقوق کا تحفظ چاہتی ہے جو مغرب کے حیاباختہ معاشرے میں مغربی عورت کو حاصل ہیں، اور اسی کے بیرون ملک سے فنڈنگ بھی ہوتی ہے۔

وہ اسباب جن کی وجہ سے عورت کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، یا وہ مردوں کے ظلم وستم کا شکار ہوتی ہے، ان میں سے سب سے اہم سبب اسلامی تعلیم وتربیت کا فقدان اور اخلاقیات سے محرومی ہے، اور یہ کمی ایسی ہے کہ ہم کسی ایک فریق کو اس کا ذمے دار قرار نہیں دے سکتے۔ اس فقدان اور محرومی میں مرد اور عورت دونوں یکساں ہیں۔ اسی لیے کبھی زیادتی مرد کی طرف سے ہوتی ہے اور عورت کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور کبھی مرد کی طرف سے اس قسم کا اقدام، جس سے عورت کو ناخوشگوار صورت حال سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اس کا سبب عورت ہی کی غلطی یا نا سمجھی ہوتا ہے۔ اس لیے ہر حال میں مرد ہی کو ظالم یا سزاوارِ سزا سمجھنا غلط اور یکسر خلافِ واقعہ ہے اور عدل وانصاف کے مسلمہ اصولوں کے بھی خلاف ہے۔ اس بل میں سب سے بڑی غلطی یہی ہے کہ صرف مرد کو ہر صورت میں ظالم فرض کر لیا گیا ہے اور سزا کا اہتمام بھی صرف اسی کے لیے ہے۔ قطع نظر اس سے کہ جرم کی نوعیت کیا اور اس کا سبب کیا ہے؟ اس میں خطاکار مرد ہے یا عورت؟ یا دونوں ہی اس کے ذمے دار ہیں؟ علاوہ ازیں مرد کے خلاف ساری کاروائی صرف متاثرہ (عورت، بیٹی، بہن، بیوی) کے بیان پر بغیر ثبوت اور بغیر گواہوں کے ہوگی۔

اور 'مدعا علیہ' (مرد) میں خاوند کے علاوہ باپ اور بھائی وغیرہ بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ خاوند کے علاوہ باپ بھی بیٹی سے، بڑا بھائی بھی اپنی بہن سے اس کی کسی غلطی یا بے راہ روی پر باز پرس کر سکتا ہے، ڈانٹ ڈپٹ کر سکتا ہے اور بل میں اس تادیبی اور اصلاحی کاروائی کو بھی 'تشدد' قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ ایسا کرنا گو اسلام کی رو سے تو جائز ہے، لیکن مغرب میں یہ واقعی ایسا جرم ہے کہ بیٹی یا بیوی فون کے ذریعے سے پولیس کو بلوا کر باپ یا شوہر کو گھر سے نکلوا کر جیل بھجوا سکتی ہے۔

بات پھر بل کی طرف چلی گئی کیونکہ بل ایسی کشش ثقل کا حامل ہے کہ فیصل آباد کے گھنٹہ گھر کی طرح جدھر دیکھو... تو ہی تو ہے، والا معاملہ ہے۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

بات تربیتی نقدان، اسلامی تعلیمات کے عدم شعور اور اخلاق سے محرومی کی ہو رہی تھی۔ اس کی آئے روز پیش آنے والی مثال طلاق کی ہے۔ بلاشبہ بہت سے مرد جہالت کا مظاہرہ کرتے ہوئے معمولی سے لڑائی جھگڑے پر طلاق دے دیتے ہیں اور طلاق بھی ایک ہی سانس میں تین مرتبہ۔ جن سے علمائے احناف کے نزدیک 'طلاقِ بتہ' ہو جاتی ہے اور گھر اُجڑ جاتا ہے، میاں بیوی کے خوار ہونے کے علاوہ بچوں کا مستقبل بھی تاریک ہو جاتا ہے۔

لیکن یہ سمجھنا خلافِ واقعہ ہے کہ اس جہالت اور حماقت کا مظاہرہ صرف مرد ہی کی طرف سے ہوتا ہے بلکہ بعض دفعہ بلکہ بسا اوقات اس میں عورت کی بدزبانی اور بداخلاقی اور ناسمجھی کا دخل ہوتا ہے اور وہ ذرا ذرا سی بات پر طلاق کا مطالبہ کرتی ہے۔ مرد ٹالتے اور درگزر کرنے کی بات کرتا ہے لیکن وہ ناسمجھی میں اتنا اصرار کرتی ہے کہ مرد کو، نہ چاہتے ہوئے بھی طلاق دینی پڑ جاتی ہے۔ اور پھر وہی ایک مرتبہ تین طلاقیں۔

اس صورت حال کا حل کئی اقدامات کا متقاضی ہے:

۱۔ حکومت کی طرف سے اسلامی تعلیمات وتربیت کا سرے سے کوئی اہتمام ہی نہیں ہے۔ نہ مردوں کے لیے اور نہ عورتوں کے لیے۔ تعلیم وتربیت انسان کو حوصلہ مند بناتی اور عزم وحوصلہ کے ساتھ مسائل ومشکلات کا سامنا کرنا سکھاتی ہے، بالخصوص جلد بازی میں فیصلہ کرنے سے روکتی ہے اور طلاق کے فیصلے اکثر عجلت، بے صبری، عدم برداشت اور بداخلاقی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ حکومت میاں بیوی کے حقوق اور ذمے داریوں پر مبنی اسلامی تعلیمات کو میٹرک کے نصاب کا حصہ بنائے اور اخبارات اور ٹی وی پروگراموں کے ذریعے سے بھی ان کو نشر کروائے۔

۲۔ بالخصوص اسلامی طریقۂ طلاق کو، جس کی وضاحت گزشتہ صفحات میں کی گئی ہے، زیادہ سے زیادہ اس کی نشرواشاعت کی جائے اور اسے نصابِ تعلیم میں شامل کیا جائے۔

۳۔ ایک ہی مرتبہ تین طلاقوں کو جرم قرار دیا جائے، جو عرضی نویس یا وکیل طلاق نامہ لکھے، ان کو بھی صرف ایک طلاق لکھنے کا پابند اور ان کے لیے بیک وقت تین طلاقیں لکھنے کو قابل تعزیر جرم قرار دیا جائے۔ یاد رہے کہ یہ سفارش اسلامی نظریاتی کونسل بھی کر چکی ہے۔

۴۔ اس غلط فہمی کا وسیع پیمانے پر ازالہ کیا جائے کہ طلاق کے لیے تین مرتبہ: طلاق، طلاق، طلاق، کہنا یا میں 'طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں' کہنا ضروری نہیں ہے بلکہ اگر کوئی صرف یہ

کہتا ہے کہ میں طلاق دیتا ہوں، یا تجھے طلاق ہے۔ تو اس طرح ایک مرتبہ ہی طلاق کے لفظ سے طلاق ہو جاتی ہے اور تین حیض یا تین مہینے تک رجوع نہ کرنے کی صورت میں 'طلاقِ بائنہ' ہو جاتی ہے۔ یعنی میاں والا تعلق ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد عورت آزاد ہے کہ اپنے ولی کی اجازت اور رضامندی سے جہاں چاہے نکاح کرے۔

یہ طلاق کا وہ شرعی طریقہ ہے جس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ طلاق دینے کے بعد اگر مرد کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے تو وہ عدت کے اندر رجوع کر کے دوبارہ اس کو اپنے ساتھ رکھ سکتا ہے اور عدت گزرنے کے بعد اگر صلح کی کوششیں کامیاب ہو جاتی ہیں تو نئے نکاح کے ذریعے سے یہ دوبارہ تعلق زوجیت میں جڑ سکتے ہیں اور یہ بھی ایسا مسئلہ ہے جو اتفاقی ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

فقہی اختلاف اس وقت سامنے آتا ہے جب طلاق کا غیر شرعی طریقہ: ایک ہی مرتبہ تین طلاقیں، اختیار کیا جاتا ہے اور اس اختلاف کی وجہ سے ان کا دوبارہ باہم ملن تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے، الا یہ کہ وہ حلالہ مروّجہ کیا جائے جس کا بعض علما فتویٰ دے دیتے ہیں، حالانکہ اسلام میں اس کا قطعاً کوئی جواز نہیں ہے۔ علاوہ ازیں کوئی غیرت مند مرد اسے برداشت نہیں کرتا، علاوہ ازیں یہ خود ساختہ فتویٰ جس طرح نقل (شرعی دلائل) کے خلاف ہے، اسی طرح عقل کے بھی خلاف ہے کہ جرم کرنے (بیک وقت تین طلاقیں دینے) والا تو مرد ہوتا ہے لیکن سزا عورت کو بھگتنی پڑتی ہے کہ وہ چند راتوں کے لیے کرائے کے سانڈ کے حوالے کر دی جاتی ہے۔ أعاذنا اللّٰہ منه۔ یاد رہے 'کرائے کے سانڈ' کے الفاظ رسول اللہ ﷺ کے فرمائے ہیں: حدیث کے عربی الفاظ ہیں: «التیس المستعار»[1]

۵۔ یا اس کا دوسرا حل جو شرعی ہے، یہ ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق (رجعی) شمار کیا جائے۔ اس صورت میں بھی پھر عدت کے اندر رجوع کرنا اور عدت گزر جانے کے بعد (بغیر حلالہ مروجہ کے) نکاح کرنا جائز ہے۔ اس کے اہل حدیث کے علاوہ کئی ائمہ اعلام (امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم رحمہما اللہ) اور بعض صحابہ وتابعین اور دیگر متعدد اہل علم قائل ہیں۔ شرعی دلائل بھی اس کی تائید میں موجود ہیں۔ علاوہ ازیں پاک وہند کے متعدد علمائے احناف (دیوبندی وبریلوی) حالات کے پیش نظر اس کے

۱ سنن ابن ماجہ: ۱۹۳۶، حسن

magazine.mohaddis.com

قائل ہیں، جس کی تفصیل اور ان کے فتاویٰ اور مضامین راقم کی کتاب میں موجود ہیں۔ یہ کتاب 'ایک مجلس کی تین طلاق اور اس کا شرعی حل' کے نام سے دار السلام سے مطبوع ہے۔

دیگر علمائے احناف بھی اگر مسئلہ طلاق میں یہی موقف اختیار کرلیں تو عورتوں کی مشکلات کے حل میں، جو بیک وقت تین طلاقوں کا تین ہی شمار کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، کافی مدد مل سکتی ہے۔ اس کی ایک نظیر بھی موجود ہے کہ زوجہ مفقود الخبر کا کوئی معقول حل فقہ حنفی میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے متحدہ ہند میں عورتوں کے لیے بڑی مشکلات تھیں تو مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو نہ صرف اختیار کیا بلکہ کبار علمائے احناف سے بھی اس کی تائید میں فتاویٰ حاصل کیے۔ اور یہ سارے فتاویٰ انہوں نے ایک کتاب 'الحیلۃ الناجزۃ فی الحیلۃ العاجزۃ' میں شائع کردیے۔ یہ پون صدی (۸۰،۷۵ سال) قبل کی بات ہے۔ اس کتاب کا نیا ایڈیشن ادارہ اسلامیات لاہور، نے شائع کیا ہے جس کے دیباچے میں مولانا تقی عثمانی صاحب کا یہ اعتراف موجود ہے کہ عورتوں کی بہت سی مشکلات کا حل فقہ حنفی میں نہیں ہے۔

اس اعتراف کی روشنی میں پون صدی قبل کی اپنے اکابر کی نظیر کو سامنے رکھتے ہوئے اور ان کے طرزِ عمل کو اپناتے ہوئے اگر موجودہ علمائے احناف بھی بیک وقت تین طلاقوں کے ایک طلاق شمار ہونے والے مسلک کو اختیار کرلیں، تو جاہلانہ طلاق کا نہایت آسان حل نکل آتا ہے اور طلاق کے باوجود ۸۰ فیصد گھرانے اُجڑنے سے بچ سکتے ہیں۔

۶۔ طلاق کا جو صحیح اور شرعی طریقہ ہے، اسے اخبارات وغیرہ میں اور اسی طرح ایک ہی وقت میں تین طلاقوں کے دینے کو قابل تعزیر جرم ہونے کو، حکومت کی طرف سے اشتہار کے طور پر صفحہ اوّل پر شائع کرایا جائے۔

اگر حکومت اور دیگر این۔جی۔اوز واقعی عورتوں کی مشکلات کے حل میں مخلص ہیں تو حکومت اپنے کارناموں کی تشہیر میں کروڑوں روپے قومی خزانے سے خرچ کرتی ہے۔ تو کیا وہ اس اہم مسئلے پر، جس سے ۸۰ فیصد گھرانے اُجڑنے سے بچ سکتے ہیں، چند کروڑ روپے سالانہ قومی خزانے سے اس مد کے لیے مخصوص نہیں کرسکتی؟ یہ حکومت کے اخلاق اور عورتوں کے مسائل کے حل میں اس کو کتنی دلچسپی ہے، اس کا امتحان اور ٹیسٹ کیس ہے۔

عورتوں کی مشکلات کا ایک اور قرآنی حل: محلّہ وار پنچایتیں

یہ حل قرآن کریم کی سورۃ النساء کی آیت نمبر ۳۵ میں بیان کیا گیا جس کی طرف ہم پہلے بھی اشارہ کر آئے ہیں۔ اس کی رو سے، محلوں کی سطح پر پنچایتی نظام کا قیام ہے، اسے کونسلروں اور ناظموں کے ذریعے سے بھی بروئے کار لایا جاسکتا ہے۔ یونین کونسلیں پہلے بھی اس سلسلے میں کچھ کام کرتی آرہی ہیں، ان کو مزید فعال بھی کیا جائے اور کچھ اختیارات بھی دیے جائیں تاکہ عدالتوں پر بھی بوجھ نہ بڑھے اور عوام بھی عدالتی چارہ جوئی کے بجائے، جو لمبا بھی ہے اور مہنگا بھی اپنے علاقے ہی میں ان پنچایتوں کی طرف رجوع کریں۔ یہ پنچایتیں پہلی اور دوسری طلاق میں صلح کرانے کی کوشش کریں جس کی گنجائش عدت کے اندر، یعنی تین مہینے تک موجود ہے۔ نیز عدت گزرنے کے بعد بھی نکاح جدید کے ذریعے سے ٹوٹا ہوا تعلق دوبارہ قائم ہوسکتا ہے، اگر یہ پنچایتیں مخلصانہ کوشش کریں۔

یہ قرآنی حل اور طریقہ اس طریقے سے ہزار درجے بہتر ہے جو بل میں تجویز کیا گیا ہے اور اس قرآنی حل کے برعکس شیطانی حل ہے۔ اس میں کوشش کی گئی ہے کہ میاں بیوی کے درمیان کسی طرح بھی غلط فہمیاں دور نہ ہوں اور دوبارہ جڑنے کی کوئی صورت نہ رہے۔

۱۔ فیملی عدالتوں کو مزید فعال اور ان کو ایک معین مدت تک فیصلے کرنا پابند بنایا جائے۔ تاکہ جو عائلی تنازعات، پنچایتوں کے ذریعے سے حل نہ ہوسکیں، عدالتوں سے ان کو فوری ریلیف مل جائے۔ جیسے خلع، طلاق کے بعد کے بچوں کی تحویل، نان ونفقہ، وراثت وغیرہ کے مسائل۔

۲۔ اگر حکومت پنچایتی نظام کو صحیح معنوں میں قائم کردے اور ان کو مناسب اختیارات بھی دے دیے جائیں تو یہ سارے مسائل محلوں کی سطح پر، عدالتوں کی طرف رجوع کیے بغیر ہی حل ہوسکتے ہیں۔ مسئلہ صرف اخلاص اور عزم وہمت اور قرآن سے رہنمائی حاصل کرنے کا ہے اور اگر مغرب ہی کی نقالی یا ان کی خوشنودی یا ان سے فنڈز لینا مقصود ہے تو پھر بات اور ہے۔ لیکن نہ نقالی سے عورت کے مسائل حل ہوں گے اور نہ فنڈز کے حصول سے۔ عورت کی مشکلات جوں کی توں رہیں گی بلکہ علم نجوم میں مہارت کے بغیر یہ پیش گوئی کی جاسکتی ہے کہ ان میں اضافہ ہی ہوگا۔ گو ہماری خواہش اور دعا تو یہی ہے کہ ایسا نہ ہو لیکن غلط طریق کار کے غلط نتائج کو محض آرزوؤں اور تمناؤں سے نہیں روکا جاسکتا۔

۳۔ جہیز کی لعنت کا نہایت سختی سے خاتمہ کیا جائے۔ اب تک کی بعض نیم دلانہ کوششوں سے اس

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

رسم بد کے خاتمے میں کوئی مدد نہیں مل سکی۔ ضرورت ہے کہ اس محاذ پر بھی حکومت سنجیدگی سے کوشش کرے۔ اس لعنت کی وجہ سے بھی بہت سی عورتوں کو متعدد مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۴۔ عورت کی وراثت کا مسئلہ ہے۔ اس کے لیے بھی ایسی قانون سازی کی جائے کہ کسی کو بھی عورت کو باپ کی جائیداد سے محروم کرنے یا محروم رکھنے کی جرأت نہ ہو۔ اگر اس قسم کے کیس عدالتوں میں جائیں تو اس کے لیے بھی عدالتوں کو ایک معین مدت کے اندر فیصلہ کرنے کا پابند کیا جائے۔ عدالتی نظام کی متعدد خامیوں کی وجہ سے جو تاخیری حربے اختیار کیے جاتے ہیں اور سالہا سال تک عورتوں کو اپنا حق لینے کے لیے جن جاں گسل مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، وہ شدید ظلم کی ایک صورت ہے جس سے عورت کو نجات دلانا حکومت کی ذمے داری ہے۔

۵۔ میٹرنٹی ہوم (زچہ بچہ کی سہولتیں) عام کی جائیں اور ہر محلے میں یہ نہ صرف قائم کیے جائیں بلکہ تربیت یافتہ سٹاف اُن میں متعین ہو اور دیگر سہولتوں کا انتظام ہو۔ یہ عورت کے لیے موت وحیات کی کشمکش کا سنگین مرحلہ ہوتا ہے، اس مرحلے میں عورت کے لیے سہولتیں مہیا کرنا بھی حکومت کی ذمہ داری اور اس سے پہلو تہی کرنا عورت پر سخت ظلم ہے جو عورت کی ہمدردی ظاہر کرنے والی حکومت کے لیے ناقابل معافی ہے۔

۶۔ معاشرے میں جو عورتیں مطلقہ یا بیوہ ایسی ہوں کہ ان کی کفالت کرنے والا کوئی نہ ہو، ان کے لیے شیلٹر ہوم بنانے کا شوق پورا کرکے ان کی آبرومندانہ کفالت کا انتظام کیا جائے۔

۷۔ کاروکاری کا سدباب کیا جائے۔ اس کا ارتکاب بڑے بڑے جاگیردار، زمیندار، وڈیرے قسم کے لوگ کرتے ہیں۔ اپنی زمینوں، جاگیروں وغیرہ کو بچانے کے لیے نوجوان بچیوں کی شادیاں قرآن کریم سے کرنے کا ڈھونگ رچاتے ہیں۔ بھلا قرآن کریم سے بھی کسی کا نکاح ہو سکتا ہے۔ یہ وڈیرے اس ملک میں اس طرح عورت پر ظلم کرتے ہیں۔ کون سا عالم ہے جو اس ظلم کی حمایت کرتا یا حکومت کو اس کے سدّباب کے لیے قانون سازی سے روکتا ہے؟

۸۔ اسی طرح وَنی کی جاہلانہ اور ظالمانہ رسم ہے کہ اپنے ناجائز ظلم کے بدلے میں کم سن بچیوں کی شادیاں بوڑھوں کے ساتھ کرکے اور معصوم بچیوں پر ظلم کرکے اپنے ظلم کا ازالہ کرتے ہیں۔ اس کے خلاف قانون سازی ہونی چاہیے۔ کون سا عالم اس ظلم کی حمایت کرتا ہے؟

۹۔ غیرت کے نام پر قتل کے خلاف سخت قانون بنائیں۔ کوئی عالم غیرت کے نام پر قتل کو جائز

قرار نہیں دیتا۔ چند روز قبل ہیومن رائٹس آف پاکستان کمیشن کی رپورٹ اخبارات میں شائع ہوئی ہے جس میں بتلایا گیا ہے کہ ۲۰۱۵ء میں ۱۱۰۰ عورتیں غیرت کے نام پر قتل ہوئیں۔ جنسی تشدد میں بھی اضافہ ہوا، جس میں بچے اور بچیاں اس کا شکار[۱] ہوئیں۔ اگر یہ رپورٹ درست ہے تو اس کا اسلامی معاشرے میں ہر صورت تدارک ہونا چاہیے۔

اس کے اسباب کا بھی خاتمہ فرمائیں جو بالکل واضح ہیں کہ نوجوان نسل ٹی وی کے فحش اور عشقیہ فلمیں اور ڈرامے دیکھ کر نہایت تیزی سے بے راہ روی کا شکار ہو رہی ہے۔ اس کے نتیجے میں ہی ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے رجحانات اپنے ہاں دیکھ کر اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ پاتے اور غیرت میں آکر اپنی ہی بیٹی، بہن یا بیوی کو قتل کر دیتے ہیں۔ یہ کام اگرچہ اسلامی غیرت ہی کا مظہر ہے، تاہم نہ اسلام میں اس قتل غیرت کی اجازت ہے اور نہ کوئی عالم ہی اس کی حمایت کرتا ہے۔

۱۰۔ اسی طرح جنسی تشدد بھی نہایت وحشیانہ حرکت ہے جس میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ بھی ٹی وی پروگراموں اور فلمیں وغیرہ ہیں۔ زنا کے اسباب کا خاتمہ اور اس قسم کے واقعات کے سدّباب کے لیے قانون سازی یا موجودہ قوانین پر عمل داری کس کا کام ہے؟ حکومت کے سوا یہ کام کون کر سکتا ہے؟ حکومت اپنی یہ ذمہ داری کیوں پوری نہیں کرتی؟

۱۱۔ عورت کے چہرے پر تیزاب پھینک کر اس کو مردوں کے لیے ناقابل قبول بنانا، نہایت سنگ دلانہ حرکت اور عورت پر بڑا ظلم ہے۔ علما تو کہتے ہیں کہ فوجداری قانون میں اس قسم کے کاموں کی سزائیں موجود ہیں، ان کو نافذ کریں بلکہ اسلام کے قانون قصاص پر عمل کرتے ہوئے ایسے ظالم مردوں کے چہروں کو بھی تیزاب سے جھلسا دیں۔ پھر دیکھیں کہ کوئی مرد اس ظلم کا ارتکاب کرتا ہے؟ ہمیں سو فیصد یقین ہے کہ اس قانون قصاص پر عمل کی برکت سے ان شاء اللہ اس جرم کا سو فیصد سدّ باب ہو جائے گا۔ عورتوں کی 'حمایت' کرنے والے یہ مغرب زدگان کیا عورت کو اس ظلم سے بچانے کے لیے اس ظلم کے سو فیصد یقینی علاج کی حمایت کریں گے؟ یا حکومت اس قانون قصاص کے نفاذ کے لیے تیار ہے؟

۱۲۔ مخلوط تعلیم کا خاتمہ کرکے خواتین کے لیے الگ تعلیمی ادارے (کالجز اور یونیورسٹیاں) قائم کیے

۱ روزنامہ 'آواز' ۱۲ اپریل ۲۰۱۶ء

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

جائیں۔ یہ بھی مسلمان عورت کا ایسا حق ہے کہ جس کا پورا کرنا ایک مسلمان مملکت کا فرضِ منصبی ہے۔ اس کے بغیر عورت کو مردوں کی ہوس کاری سے بچانا ناممکن ہے۔

۲۱ر فروری ۲۰۱۶ء کے روزنامہ 'جنگ' لاہور میں ایک امریکی ادارے کی رپورٹ شائع ہوئی ہے جو بشمول ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ کی ۲۷ نامور یونیورسٹیوں کے سروے پر مبنی ہے۔ اس میں مخلوط تعلیم کے نتیجے میں طالبات جس کثرت سے جنسی حملوں کا شکار ہو رہی ہیں، اس کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔ یہ ان کے لیے نہایت چشم کشا رپورٹ ہے جو پاکستان میں مغربی ایجنڈے کے مطابق مخلوط تعلیم کو مسلط کیے ہوئے ہیں۔ اس رپورٹ کا باشعور اور دردمند حضرات کو بالخصوص مطالعہ کرنا چاہیے۔

۱۳۔ اسی طرح عورتوں کے لیے نصابِ تعلیم بھی مردوں سے الگ مرتب کیا جائے تاکہ مسلمان عورت اپنے مقصدِ تخلیق اور فطری صلاحیتوں کے مطابق زیادہ بہتر طریقے سے ملک و قوم کی خدمت کر سکیں۔ علاوہ ازیں ان کے لیے چند شعبے بھی مخصوص کیے جاسکتے ہیں جن کی وہ تعلیم و تربیت حاصل کریں اور وہاں وہ مردوں سے الگ رہ کر خدمات سرانجام دیں۔ مثلاً تعلیم کا شعبہ ہے، طب (میڈیکل) کا شعبہ ہے۔ اسی طرح اور بہت سے شعبے ایسے ہوسکتے ہیں جہاں وہ ستر و حجاب کی پابندی کے ساتھ مفوضہ فرائض انجام دیں۔

حرفِ آخر

پاکستانی عورت مسلمان ہے، یہاں کا معاشرہ مسلمانوں پر مشتمل ہے، پاکستانی ریاست کا سرکاری مذہب بھی اسلام ہے۔ ان تمام باتوں کا تقاضا ہے کہ پاکستانی عورت کے بہ حیثیت مسلمان جو حقوق ہیں، وہ اسے اس کے مذہبِ اسلام کی رو سے ملنے چاہئیں اور حکومت کا بھی فرض یہ ہے کہ وہ اسلام کی روشنی میں ہی ان کے حقوق کا تحفظ کرے۔ اس سے انحراف پاکستانی عورت کی بھی حق تلفی بلکہ اس پر ظلم ہے اور حکومت بھی اپنے حلف سے انحراف کی مجرم ہوگی۔ وما علینا إلا البلاغ !

(حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ)

ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

تلاوتِ قرآن کا نبوی طریقہ

[آدابِ تلاوت میں چالیس احادیثِ مبارکہ]

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو سید المرسلین اور خاتم النبیین کے طور پر مبعوث فرمایا۔ اور اُنہیں قرآن کریم کی شکل میں ایک دائمی معجزہ عنایت کیا۔ قرآنِ مجید کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لی اور نبی مکرم ﷺ کے فرائض میں قرآنی آیات کو پڑھ کر سنانا، لوگوں کا تزکیۂ نفس کرنا، اور کتاب وحکمت کی تعلیم دینا شامل کیے، جو اس مشہور آیت میں بیان ہوئے ہیں:

﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ [1]

"اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں پر احسان فرمایا کہ ان پر ایک رسول انہی میں سے مبعوث کیا جو ان پر اس کی آیاتِ کریمہ کی تلاوت کرتا ہے، ان کا تزکیۂ نفس کرتا اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اس سے پہلے تو یہ واضح گمراہی میں تھے۔"

گویا منصبِ رسالت کے بنیادی تقاضوں میں سے یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی آیات کی تلاوت کرکے، لوگوں کا تزکیۂ نفس کیا جائے۔

قرآن کریم کے مسلمانوں پر عائد حقوق میں، ایک حق اس کو اچھی طرح تلاوت کرنا ہے۔ قرآنی آیات کی تلاوت کے بارے میں اہل اسلام کا رویہ قرآن کریم میں یہ بیان ہوا ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ﴾ [2]

"جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں۔ یہی لوگ اس پر

۱ سورۃ آلِ عمران:۱۶۴
۲ سورۃ البقرۃ:۱۲۱

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ایمان لانے والے ہیں۔"

یعنی ایمان کے تقاضوں اور حقوقِ قرآن میں سے ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت، اس طرح کی جائے جیسا کہ اس کا حق ہے۔ اور یہ تلاوت نبی کریم ﷺ کے بنیادی فرائض میں شامل ہے۔ قرآنِ کریم کی تلاوت بذات خود بہت بڑی نیکی ہے، جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے:

«مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللهِ فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ، وَالحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، لَا أَقُولُ الْم حَرْفٌ، وَلَكِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيمٌ حَرْفٌ»[1]

"جس نے قرآن کریم کا ایک حرف پڑھا، اس کے لیے نیکی لکھ دی جاتی ہیں، اور ایک نیکی ۱۰ گنا کے برابر ہوتی ہے۔ میں نہیں کہتا کہ الـم ایک حرف ہے۔ لیکن الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔"

نبی ﷺ نے ایسے حروفِ مقطعات کی مثال بیان کی جس کا مفہوم واضح نہیں ہے، اس مثال میں ایسے لوگوں کا ردّ ہے جو کہتے ہیں کہ ترجمے کے بغیر قرآنِ مجید پڑھنے کا کچھ فائدہ رثواب نہیں ہے۔

تلاوتِ قرآن کریم کو سننا بھی نیکی ہے، جیسا کہ یہ حدیثِ نبوی ہے:

«مَنِ اسْتَمَعَ إِلَىٰ آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللهِ تَعَالَىٰ كُتِبَ لَهُ حَسَنَةٌ مُضَاعَفَةٌ، ومَنْ تَلَاهَا كَانَتْ لَهُ نُورًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ»[2]

"جس نے کتاب اللہ کی ایک آیت سنی، اس کے لیے دوہری نیکی لکھی جاتی ہے، اور جس نے اسے تلاوت کیا، وہ تلاوت روزِ قیامت اس کے لیے باعثِ نور ہوگی۔"

قرآن کریم کی تلاوت کی مہارت کا کیا ثواب ہے اور دوسری طرف اس میں مشقت برداشت کرنے کا کیا اجر ہے؟ اس فرمانِ نبوی میں ملاحظہ فرمائیں:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ، وَالَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيهِ، وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ، لَهُ أَجْرَانِ»[3]

۱ جامع ترمذی: ۲۹۱۰

۲ مسند احمد: رقم ۸۴۷۵۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ (ضعیف الجامع: ۵۴۰۸)

۳ صحیح مسلم: رقم ۲۴۴

"قرآن کریم کے ماہر کا انجام مقرب و معزز فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔ اور جو قرآن پڑھتے ہوئے اَٹکتا ہے، اور روانی سے اچھی تلاوت نہیں کر سکتا، اس کے لیے دو اجر ہیں۔" (ایک تلاوت کا اور دوسرا اس کے لیے مشقت برداشت کرنے کا)

جس طرح ہر کام کے لیے نبی کریم ﷺ کا اُسوہ حسنہ ہی ہمارے لیے مشعل راہ ہے، اسی طرح تلاوتِ قرآن کے مبارک، مسنون اور نیک عمل کے لیے بھی آپ ﷺ کے طریقہ سے رہنمائی لینا چاہیے، اس سلسلے میں بعض تفصیلات نبی کریم ﷺ کے ارشادات (قولی حدیث) سے معلوم ہوتی ہیں اور کچھ آپ کے عمل (فعلی حدیث) سے۔

ذیل میں کتبِ احادیث سے ان کی تفصیل پیش کی جاتی ہے:

پہلا ادب: سوز اور رِقت سے تلاوتِ قرآن

① قرآنِ کریم کی تلاوت سوز اور رقت کے ساتھ کرنی چاہیے اور اسے تلاوت کی سب سے بہترین خوبی قرار دیا گیا ہے، فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

«إِنَّ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ صَوْتًا بِالْقُرْآنِ، الَّذِي إِذَا سَمِعْتُمُوهُ يَقْرَأُ، حَسِبْتُمُوهُ يَخْشَى اللهَ»[1]

② آپ ﷺ بذاتِ خود قرآن کریم کی تلاوت بے حد سوز اور خشوع کے ساتھ فرمایا کرتے، سیدنا جبیر بن معطم رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّورِ، فَلَمَّا بَلَغَ هَذِهِ الآيَةَ: ﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ۝ أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ۚ بَل لَّا يُوقِنُونَ ۝ أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ ۝﴾ قَالَ: كَادَ قَلْبِي أَنْ يَطِيرَ[2]

۱ سنن ابن ماجہ ۱۳۳۹، تحقیق محمد فواد عبد الباقی، طبع دار احیاء کتب العربیۃ، قال الالبانی: صحیح... محدثِ شام شیخ شعیب ارناؤوط نے اس حدیث کی جمیع اسانید ذکر کرکے اسے حسن لغیرہ قرار دیا ہے۔ مزید تحقیق حدیث کے لیے دیکھیں: اخلاق حملۃ القرآن از آجری

۲ صحیح بخاری: رقم ۴۸۵۴

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

''میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ آپ نمازِ مغرب میں سورۃ الطور کی تلاوت فرمارہے تھے۔ جب آپ ان آیات پر پہنچے تو [شدتِ تاثیر سے] مجھے لگا کہ میری روح پرواز کر جائے گی۔''

③ قرآنِ کریم کی تلاوت کی یہ تاثیر اس آیت کریمہ میں بیان ہوئی ہے:

﴿ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ ﴾[1]

''اللہ تعالیٰ نے بہترین کتاب نازل کی، جس میں ملتی جلتی اور بار بار دہرائی جانے والی آیات ہیں۔ اللہ کی خشیت رکھنے والوں کے دل اس سے کانپ اٹھتے ہیں، پھر ان کی جلدیں اور دل اللہ کے ذکر کے لیے نرم ہو جاتے ہیں۔''

④ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے قراءتِ قرآن سنا کرتے اور اسے سن کر آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے، سیدنا عبداللہ بن مسعود راوی ہیں:

قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اقْرَأْ عَلَيَّ» قَالَ: قُلْتُ: أَقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ قَالَ: «إِنِّي أَشْتَهِي أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي» قَالَ: فَقَرَأْتُ النِّسَاءَ حَتَّى إِذَا بَلَغْتُ: ﴿ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا ۝۴۱ ﴾ [النساء:٤١] قَالَ لِي: «كُفَّ - أَوْ أَمْسِكْ -» فَرَأَيْتُ عَيْنَيْهِ تَذْرِفَانِ[2]

''مجھے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے قرآن کی تلاوت سناؤ۔ میں نے کہا: میں آپ کو کیسے قرآن سناؤں، حالانکہ آپ پر تو قرآن کریم نازل ہوا ہے۔ آپ ﷺ کہنے لگے: میرا جی چاہتا ہے کہ میں دوسرے سے تلاوت سنوں۔ سو میں نے سورۃ النساء کی تلاوت شروع کی، حتیٰ کہ جب میں اس آیت پر پہنچا کہ وہ کیسا وقت ہوگا جب ہم ہر اُمت سے گواہ بلائیں گے، اور آپ ﷺ کو ان تمام لوگوں پر گواہ بنائیں گے تو آپ کہنے لگے: بس بس، رک جاؤ۔ میں نے دیکھا، آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔''

⑤ قرآن پڑھتے ہوئے اگر خشیت نہ بھی طاری ہو تو ارشادِ نبویؐ ہے کہ رونے کی سی شکل بنالی جائے

1 سورۃ الزمر:۲۳

2 صحیح بخاری:۶/۱۹۷، رقم ۵۰۵۵

اور تلاوت میں رِقت آمیز لہجہ اختیار کیا جائے، عبدالرحمن بن سائب سے مروی ہے:

قَدِمَ عَلَيْنَا سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ، وَقَدْ كُفَّ بَصَرُهُ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَقَالَ: مَنْ أَنْتَ؟ فَأَخْبَرْتُهُ، فَقَالَ: مَرْحَبًا بِابْنِ أَخِي، بَلَغَنِي أَنَّكَ حَسَنُ الصَّوْتِ بِالْقُرْآنِ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ نَزَلَ بِحُزْنٍ، فَإِذَا قَرَأْتُمُوهُ فَابْكُوا، فَإِنْ لَمْ تَبْكُوا فَتَبَاكَوْا، وَتَغَنَّوْا بِهِ، فَمَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِهِ فَلَيْسَ مِنَّا»[1]

''سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہمارے ہاں آئے جبکہ آپ کی بصارت ختم ہوچکی تھی۔ میں نے انہیں سلام کہا تو پوچھنے لگے: کون؟ میں نے تعارف کرایا، بولے: بھانجے خوش آمدید، مجھے پتہ چلا ہے کہ تم قرآن بڑی خوبصورت آواز میں تلاوت کرتے ہو، میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو فرماتے سنا تھا کہ یہ قرآن پر غم کی کیفیت غالب ہے، جب تم اسے پڑھو تو رویا کرو۔ اگر رونہ پاؤ تو رونے کی صورت بنالیا کرو۔ اور اس کو خوش الحانی سے پڑھو، کیونکہ جو اسے خوش الحانی سے نہ پڑھے وہ ہمارے طریقے پر نہیں۔''

دوسرا ادب: معانی میں غور کرکے دہرانا اور اُس کے مطابق دعا کرنا

⑥ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو فکر و تدبر اور تذکیر و نصیحت کے لیے نازل کیا ہے، اور نبی کریم ﷺ کی تلاوت بھی ان تقاضوں کے مطابق ہوتی تھی، قرآنِ کریم میں ہے:

﴿ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۲۹ ﴾[2]

''یہ کتاب ہم نے آپ پر اُتاری ہے تاکہ وہ اس کی آیات میں تدبر کریں، اور باشعور لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔''

⑦ نبی کریم ﷺ آیات کی تلاوت کے ساتھ اس کے معانی میں غور کرکے، اُس کے مطابق عمل کیا کرتے، سیدنا حذیفہ روایت کرتے ہیں کہ

1 سنن ابن ماجہ: رقم ۱۳۳۷، تحقیق: شیخ شعیب ارناؤوط (۲/۳۶۱)... یہ حدیث مختلف طرق سے مروی ہے اور اکثر میں ضعف پایا جاتا ہے، تاہم کثرتِ طرق کی بنا پر یہ احادیث مقبول درجے تک پہنچ جاتی ہیں۔

2 سورۃ ص:۲۹

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ، فَافْتَتَحَ الْبَقَرَةَ، فَقُلْتُ: يَرْكَعُ عِنْدَ الْمِائَةِ، ثُمَّ مَضَى، فَقُلْتُ: يُصَلِّي بِهَا فِي رَكْعَةٍ، فَمَضَى، فَقُلْتُ: يَرْكَعُ بِهَا، ثُمَّ افْتَتَحَ النِّسَاءَ، فَقَرَأَهَا، ثُمَّ افْتَتَحَ آلَ عِمْرَانَ، فَقَرَأَهَا، يَقْرَأُ مُتَرَسِّلًا، إِذَا مَرَّ بِآيَةٍ فِيهَا تَسْبِيحٌ سَبَّحَ، وَإِذَا مَرَّ بِسُؤَالٍ سَأَلَ، وَإِذَا مَرَّ بِتَعَوُّذٍ تَعَوَّذَ، ثُمَّ رَكَعَ، فَجَعَلَ يَقُولُ: «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ»، فَكَانَ رُكُوعُهُ نَحْوًا مِنْ قِيَامِهِ، ثُمَّ قَالَ: «سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ»، ثُمَّ قَامَ طَوِيلًا قَرِيبًا مِمَّا رَكَعَ، ثُمَّ سَجَدَ، فَقَالَ: «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى»، فَكَانَ سُجُودُهُ قَرِيبًا مِنْ قِيَامِهِ.[1]

"میں نے ایک رات نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، آپ نے سورۃ البقرۃ سے آغاز کیا۔ میں نے سوچا کہ آپ سو آیات پڑھ کر رکوع کر لیں گے، آپ کی تلاوت جاری رہی۔ میں نے سوچا کہ اس سورۃ کو ایک رکعت میں ختم کر لیں گے۔ آپ کی تلاوت جاری رہی، پھر آپ نے سورۃ النساء کا آغاز کر دیا، اس کو پڑھا، پھر سورۃ آل عمران کا آغاز کر دیا، اس کو بھی پڑھا۔ آپ ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرتے۔ جب بھی کسی تسبیح والی آیت سے گزرتے تو اللہ کی تسبیح بیان کرتے، جب بھی کسی سوال کی آیت سے گزرتے تو اللہ سے مانگتے، اور جب بھی کسی پناہ والی آیت پر پہنچتے تو اللہ سے پناہ طلب کرتے۔ پھر آپ نے رکوع کیا۔ آپ کا رکوع آپ کے قیام کے برابر ہی طویل تھا، پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہا جو رکوع کے برابر لمبا تھا، پھر سجدہ کیا اور سبحان ربی الاعلیٰ کہا، آپ کے سجدے بھی قیام کے بقدر لمبے تھے۔"

⑧ سیدنا عوف بن مالک ؓ سے مروی ہے کہ

كُنْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ لَيْلَةً فَاسْتَاكَ ثُمَّ تَوَضَّأَ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي، فَقُمْتُ مَعَهُ فَبَدَأَ فَاسْتَفْتَحَ الْبَقَرَةَ فَلَا يَمُرُّ بِآيَةِ رَحْمَةٍ إِلَّا وَقَفَ فَسَأَلَ، وَلَا يَمُرُّ بِآيَةِ عَذَابٍ إِلَّا وَقَفَ فَتَعَوَّذَ، ثُمَّ رَكَعَ فَمَكَثَ رَاكِعًا بِقَدْرِ قِيَامِهِ، وَيَقُولُ فِي رُكُوعِهِ: «سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوتِ وَالْمَلَكُوتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ» ، ثُمَّ سَجَدَ بِقَدْرِ رُكُوعِهِ، وَيَقُولُ فِي سُجُودِهِ: «سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوتِ وَالْمَلَكُوتِ وَالْكِبْرِيَاءِ

۱ صحیح مسلم: ۱/۵۳۶، رقم ۲۰۳

وَالْعَظَمَةِ» ثُمَّ قَرَأَ آلَ عِمْرَانَ ثُمَّ سُورَةً سُورَةً يَفْعَلُ مِثْلَ ذَلِكَ[1]

"میں رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک رات موجود تھا۔ آپ نے مسواک کر کے وضو کیا اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ میں بھی آپ کے ساتھ ہی کھڑا ہو گیا۔ آپ نے سورۃ البقرۃ سے آغاز کیا۔ آپ کسی آیتِ رحمت سے نہ گزرتے مگر وہاں رک کر اللہ کی رحمت کا سوال کرتے۔ اور کسی آیتِ عذاب سے نہ گزرتے مگر رک کر اللہ عزوجل سے پناہ مانگتے۔ پھر رکوع کیا تو اس میں قیام کے بقدر موجود رہے اور اپنے رکوع میں یہ دعا... پڑھتے۔ پھر سجدہ کیا تو اس میں رکوع کے بقدر وقفہ کیا اور سجدوں میں یہ دعا «سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوتِ وَالْمَلَكُوتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ» پڑھتے۔ پھر آپ نے [اگلے قیام میں] سورۃ آلِ عمران کی تلاوت کی، پھر کوئی اور سورت، پھر کوئی اور... اور ہر سورۃ میں ایسے ہی کرتے۔"

⑨ آپ ﷺ نماز میں آیات کے معانی پر غور کرتے ہوئے آیات کو دہرایا کرتے، جیسا کہ ابوذر غفاری ؓ سے مروی ہے:

«قَامَ النَّبِيُّ ﷺ بِآيَةٍ حَتَّى أَصْبَحَ يُرَدِّدُهَا» وَالْآيَةُ: ﴿إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١١٨﴾﴾[2]

"ایک رات نبی ﷺ نے قیام کیا، تو ساری رات گزر گئی اور اسی آیت کریمہ کو آپ دہراتے رہے کہ "یا الٰہی! یہ تیرے ہی بندے ہیں، اگر تو انہیں معاف کر دے تو تو غالب و دانا ہے۔"

⑩ آپ قرآنی آیات میں غور و فکر فرمایا کرتے، اور تلاوتِ قرآن کے دوران بہت زیادہ رویا کرتے، جیسا کہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں:

لَمَّا كَانَ لَيْلَةٌ مِنَ اللَّيَالِي قَالَ: «يَا عَائِشَةُ! ذَرِينِي أَتَعَبَّدُ اللَّيْلَةَ لِرَبِّي». قُلْتُ: وَاللهِ إِنِّي لَأُحِبُّ قُرْبَكَ وَأُحِبُّ مَا سَرَّكَ. قَالَتْ: فَقَامَ فَتَطَهَّرَ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي. قَالَتْ: فَلَمْ يَزَلْ يَبْكِي حَتَّى بَلَّ حِجْرَهُ. قَالَتْ: ثُمَّ بَكَى فَلَمْ يَزَلْ يَبْكِي حَتَّى بَلَّ لِحْيَتَهُ. قَالَتْ: ثُمَّ بَكَى فَلَمْ يَزَلْ يَبْكِي حَتَّى بَلَّ الْأَرْضَ. فَجَاءَ بِلَالٌ

۱ الشمائل المحمدیۃ از امام ترمذی، ص: ۲۵۶، رقم ۳۱۴، طبع المکتبۃ التجاریۃ

۲ سورۃ المائدۃ: ۱۱۸... سنن ابن ماجہ: ۱/۴۲۹، رقم ۱۳۵۰، قال الالبانی: حسن

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

يُؤْذِنُهُ بِالصَّلَاةِ. فَلَمَّا رَآهُ يَبْكِي. قَالَ يَا رَسُولَ الله! لِمَ تَبْكِي وَقَدْ غَفَرَ الله لَكَ مَا تَقَدَّمَ وَمَا تَأَخَّرَ. قَالَ: «أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا لَقَدْ نَزَلَتْ عَلَيَّ اللَّيْلَةَ آيَةٌ وَيْلٌ لِمَنْ قَرَأَهَا وَلَمْ يَتَفَكَّرْ فِيهَا: ﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾﴾ الآية كلها»[1]

”راتوں میں سے ایک رات نبی کریم ﷺ کہنے لگے: یاعائشہ! مجھے چھوڑ دو میں اس رات اپنے رب کی بندگی کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا: واللہ! مجھے آپ کی قربت بڑی عزیز ہے لیکن آپ کی خوشی بھی مجھے محبوب ہے۔ کہتی ہیں کہ آپ کھڑے ہوگئے اور وضو کیا۔ کہتی ہیں کہ نماز میں روتے رہے حتی کہ آپ کی گود تر ہوگئی۔ پھر کہتی ہیں کہ روتے رہے حتی کہ ڈاڑھی مبارک بھی بھیگ گئی۔ پھر روتے رہے اور اتنا روئے حتی کہ زمین بھی گیلی ہوگئی۔ پھر بلال آگئے، نماز کی اطلاع دینے کے لیے۔ جب انہیں روتے دیکھا تو کہا: یارسول اللہ! آپ کیوں روتے ہیں؟ اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کردیے ہیں۔ تو جواب دیا: میں اللہ کا شکر گزار بندہ کیوں نہ بنوں، آج رات مجھ پر ایسی آیت نازل ہوئی، افسوس اس پر جو اس کو پڑھے لیکن اس میں غور و فکر نہ کرے۔“

تیسرا ادب: نماز میں لمبی تلاوت کرنا

(۱۱) قرآن کریم میں بھی آپ کو لمبے قیام کی تلقین ان الفاظ میں کی گئی ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿۱﴾ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ﴿۳﴾ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ﴿۴﴾﴾[2]

”اے کملی اوڑھنے والے! رات کو قیام کر مگر تھوڑا، نصف رات یا اس سے کچھ کم و بیش اور

۱ آل عمران: ۱۹۰ صحیح ابن حبان، محقق: ۲/۳۸۷، رقم ۶۲۰۔ شیخ شعیب ارناؤوط نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ إسناده صحيح علىٰ شرط مسلم، وأخرجه أبو الشيخ في "أخلاق النبي" ص ١٨٦ عن الفريابي، عن عثمان بن أبي شيبة، بهذا الإسناد. وله طريق أخرى عن عطاء عند أبي الشيخ ص ١٩٠، ١٩١ وفيه أبو جناب الكلبي يحيى بن أبي حية، ضعفوه لكثرة تدليسهن لكن صرح بالتحديث هنا، فانتفت شبهة تدليسه

۲ سورۃ المزمل: ۱ تا ۴

قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کر۔“

نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ بہترین نماز کونسی ہے؟

... قَالَ: فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: «جَهْدُ الْمُقِلِّ» قَالَ: فَأَيُّ الصَّلَوَاتِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: «طُولُ الْقُنُوتِ»[1]

”پوچھا بہترین صدقہ کیا ہے، جواب دیا کہ بڑی مشکل سے معمولی صدقہ نکالنے والا۔ پوچھا: کہ بہترین نماز کونسی؟ آپ نے فرمایا: جس میں قیام لمبا ہو۔“

(۱۲) آپ کی قراءت اس قدر لمبی ہوتی کہ مذکورہ بالا حدیث حذیفہ رضی اللہ عنہ (نمبر ۷) کے مطابق آپ ﷺ نے قیام میں تقریباً سوا پانچ پارے تلاوت کیے۔ اور سیدنا عوف بن مالک کی حدیث (نمبر ۸) کے مطابق سورۃ البقرۃ، دوسری رکعت میں سورۃ آل عمران اور ایسی ہی طویل سورتیں تلاوت کیں۔ اور ایسی ہی ایک حدیث سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے:

صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ الله ﷺ، فَأَطَالَ حَتَّى هَمَمْتُ بِأَمْرِ سَوْءٍ." قَالَ: قِيلَ: وَمَا هَمَمْتَ بِهِ؟ قَالَ: "هَمَمْتُ أَنْ أَجْلِسَ وَأَدَعَهُ"[2]

”عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک رات نبی کریم کے ساتھ نماز پڑھی، آپ نے لمبا قیام کیا، حتی کہ میں نے ایک برا ارادہ کیا۔ پوچھا گیا: کیا برا ارادہ؟ کہنے لگے: میں نے سوچا کہ میں بیٹھ جاؤں اور آپ کو قیام میں اکیلا چھوڑ دوں۔“

(۱۳) سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بنت عمر بیان کرتی ہیں:

«مَا رَأَيْتُ رَسُولَ الله ﷺ صَلَّى فِي سُبْحَتِهِ قَاعِدًا، حَتَّى كَانَ قَبْلَ وَفَاتِهِ بِعَامٍ، فَكَانَ يُصَلِّي فِي سُبْحَتِهِ قَاعِدًا، وَكَانَ يَقْرَأُ بِالسُّورَةِ فَيُرَتِّلُهَا حَتَّى تَكُونَ أَطْوَلَ مِنْ أَطْوَلَ مِنْهَا»[3]

”میں نے نبی کریم ﷺ کو نہیں دیکھا کہ آپ نے نفلی نماز بیٹھ کر پڑھی ہو، حتی کہ وفات سے

۱ مصنف عبد الرزاق صنعانی: ۳/۴۷، رقم ۴۸۴۳

۲ صحیح مسلم: ۱/۵۳۷، رقم ۲۰۴...باب استحباب تطويل القراءة في الصلاة

۳ صحیح مسلم: رقم ۱۱۸

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ایک سال قبل آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے۔ آپ ایک سورۃ پڑھتے اور اس کو ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرتے حتیٰ کہ وہ لمبی سے لمبی ہوتی جاتی۔"

چوتھا ادب: بلند آواز سے تلاوتِ قرآن

⑭ آپ ﷺ بلند آواز سے تلاوتِ قرآن کیا کرتے، جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾، قَالَ: «نَزَلَتْ وَرَسُولُ اللهِ ﷺ مُخْتَفٍ بِمَكَّةَ، فَكَانَ إِذَا صَلَّى بِأَصْحَابِهِ رَفَعَ صَوْتَهُ بِالقُرْآنِ، فَإِذَا سَمِعَهُ المُشْرِكُونَ، سَبُّوا القُرْآنَ وَمَنْ أَنْزَلَهُ وَمَنْ جَاءَ بِهِ»، فَقَالَ اللهُ لِنَبِيِّهِ ﷺ: ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ﴾: أَيْ بِقِرَاءَتِكَ فَيَسْمَعَ المُشْرِكُونَ فَيَسُبُّوا القُرْآنَ: ﴿وَلَا تُخَافِتْ بِهَا﴾، عَنْ أَصْحَابِكَ فَلَا تُسْمِعُهُمْ ﴿وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ﴿١١٠﴾﴾[1]

"سیدنا ابن عباس سے آیتِ کریمہ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا کے بارے میں مروی ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب نبی کریم ﷺ مکہ میں روپوش تھے۔ جب آپ اپنے صحابہ کو نماز پڑھاتے تو آواز کو بلند کیا کرتے۔ مشرکوں نے جب ایسا سنا تو قرآن کو اور قرآن جس پر نازل ہوا، جو قرآن لے کر آیا، سب کو گالیاں بکیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے کہا کہ تو اپنی عبادت یعنی اپنی قراءت میں بلند آواز اختیار نہ کر کیونکہ مشرک قرآن کو سن کر اسے گالیاں بکتے ہیں۔ اور نہ آواز کو اتنا پست کر کہ تیرے ساتھ سن ہی نہ سکیں۔ اور دونوں کے درمیان رویہ اختیار کر۔"

⑮ عبداللہ بن ابو قیس نے سیدہ عائشہ صدیقہ سے دریافت کیا:

عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ أَكَانَ يُسِرُّ بِالْقِرَاءَةِ أَمْ يَجْهَرُ؟ قَالَتْ: «كُلُّ ذَلِكَ قَدْ كَانَ يَفْعَلُ قَدْ كَانَ رُبَّمَا أَسَرَّ وَرُبَّمَا جَهَرَ». فَقُلْتُ: الْحَمْدُ للهِ الَّذِي جَعَلَ فِي الْأَمْرِ سَعَةً[2]

"آپ کی قراءت کے بارے میں کہ آپ آہستہ تلاوت کیا کرتے، یا بلند آواز سے تو آپ نے

1 صحیح بخاری: ۹/ ۱۵۳، رقم ۷۵۲۵

2 الشمائل المحمدیۃ از امام ترمذی، ص: ۲۵۹، رقم ۳۱۸، المكتبة التجارية

جواب دیا: آپ دونوں طرح تلاوت کرتے، کبھی بلند اور کبھی آہستہ۔ تو میں نے کہا: سب تعریفیں اس اللہ جل شانہ کی، جس نے اس معاملے میں گنجائش رکھی۔"

⑯ نبی کریم ﷺ کی تلاوت کی آواز بعض اوقات اس قدر بلند ہوتی کہ ابن عباس کہتے ہیں:

«كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ ﷺ رُبَّمَا يَسْمَعُهَا مَنْ فِي الْحُجْرَةِ وَهُوَ فِي الْبَيْتِ»[1]

"آپ کی تلاوت کو کبھی کوئی شخص بند کمرے میں سن لیا کرتا اور آپ اپنے گھر میں سے تلاوت کر رہے ہوتے۔"

⑰ سیدہ اُمّ ہانی بیان کرتی ہیں:

«كُنْتُ أَسْمَعُ قِرَاءَةَ النَّبِيِّ ﷺ بِاللَّيْلِ وَأَنَا عَلَى عَرِيشِي»[2]

"میں نبی ﷺ کی رات کو کی جانیوالی تلاوت کو سن لیا کرتی، حالانکہ میں اپنی چارپائی پر ہوتی۔"

⑱ بلند آواز سے تلاوت کرنے کی وجہ وہ ہے جس کو ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے:

قَالَ لَهُ: إِنِّي أَرَاكَ تُحِبُّ الغَنَمَ وَالبَادِيَةَ، فَإِذَا كُنْتَ فِي غَنَمِكَ أَوْ بَادِيَتِكَ فَأَذَّنْتَ لِلصَّلَاةِ، فَارْفَعْ صَوْتَكَ بِالنِّدَاءِ، فَإِنَّهُ: «لَا يَسْمَعُ مَدَى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَلَا إِنْسٌ، وَلَا شَيْءٌ، إِلَّا شَهِدَ لَهُ يَوْمَ القِيَامَةِ»، قَالَ أَبُو سَعِيدٍ: سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ[3]

"ایک بار ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ تجھے بکریاں اور جنگل پسند ہیں۔ جب تو بکریوں اور بیابان میں ہو تو نماز کے لیے اذان کہا کر اور اپنی آواز کو بہت بلند کیا کر۔ کیونکہ "مؤذن کی آواز کو کوئی جن وانس نہیں سنتا مگر روزِ قیامت وہ اس کی گواہی دے گا۔" ابو سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ بات اللہ کے رسول کا ارشاد ہے۔"

پانچواں ادب: ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرنا

⑲ قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

1 الشمائل المحمدیۃ از امام ترمذی، ص: ۲۶۲، رقم ۳۲۲، المكتبة التجارية

2 الشمائل المحمدیۃ از امام ترمذی، ص: ۲۶۰، رقم ۳۱۹، المكتبة التجارية

3 صحیح بخاری: ۹/ ۱۵۹، رقم ۷۵۴۸

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

﴿ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝۴ ﴾[1]

"اے نبی! آپ قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کریں۔"

⑳ نبی کریم ﷺ نے اہل جنت کی نشانی بھی یہ بیان کی ہے کہ وہ قرآن کریم کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں گے اور جنت کی منازل طے کرتے جائیں گے:

قَالَ رَسُولُ الله ﷺ: «يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ: اقْرَأْ، وَارْتَقِ، وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا، فَإِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ تَقْرَؤُهَا»[2]

"آپ ﷺ نے فرمایا: صاحب قرآن کو کہا جائے گا: قرآن پڑھتا جا اور جنت کے درجے طے کرتا جا۔ اس طرح ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھ جیسے تو دنیا میں اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا تھا۔ تیرا جنت میں مقام وہ ہے جہاں تو آخری آیت کی تلاوت کرے گا۔"

㉑ اوپر نکتہ نمبر ۷ اور ۱۴ میں تلاوتِ نبوی کی یہ خاصیت بیان ہوئی ہے کہ آپ ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کیا کرتے۔ سیدہ اُمّ سلمہ آپ کی تلاوت کی کیفیت ان الفاظ میں بیان کرتی ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْطَعُ قِرَاءَتَهُ يَقُولُ: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱﴾ ثُمَّ يَقِفُ، ثُمَّ يَقُولُ: ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۲﴾ ثُمَّ يَقِفُ، وَكَانَ يَقْرَأُ ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳﴾[3]

"نبی کریم ﷺ رک رک کر تلاوت قرآن کریم کیا کرتے۔ آپ کہتے: الحمد للّٰہ رب العٰلمین، پھر رک جاتے۔ پھر کہتے: الرحمٰن الرحیم، پھر رک جاتے۔ پھر کہتے: مالک یوم الدین

㉒ آپ کی زوجہ مطہرہ اُمّ المؤمنین سیدہ اُمّ سلمہ سے نبی کریم ﷺ کی قراءت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے جواب دیا:

سَأَلَ أُمَّ سَلَمَةَ، زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ ﷺ وَصَلَاتِهِ... ثُمَّ نَعَتَتْ قِرَاءَتَهُ، فَإِذَا هِيَ تَنْعَتُ قِرَاءَةً مُفَسَّرَةً حَرْفًا حَرْفًا.[4]

"اُمّ سلمہ زوجۂ نبی ﷺ سے آپ کی قراءت اور نماز کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے نبی

---

۱ سورۃ المزمل:۴

۲ سنن ابوداود: ۲/۷۳، رقم ۱۴۶۴، قال الالبانی: حسن صحیح

۳ الشمائل المحمدیۃ از امام ترمذی، ص:۲۵۹، رقم ۳۱۷، المکتبۃ التجاریۃ

۴ جامع ترمذی: ۲۹۲۳... هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ

کریم ﷺ کی قراءت کی تفصیل یوں بیان کی کہ آپ کی قراءت میں ایک ایک حرف بالکل واضح، اور علیحدہ علیحدہ ہوتا تھا۔"

چھٹا ادب: خوش الحانی سے قرآنِ کریم پڑھنا

㉓ سیدنا ابوہریرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ»، وَزَادَ غَيْرُهُ: «يَجْهَرُ بِهِ»[1]

"وہ آدمی ہم میں سے نہیں جو قرآن کو خوش الحانی سے نہیں پڑھتا۔ اور بعض راویوں نے ان الفاظ کا بھی اضافہ کیا ہے کہ خوش الحانی اور بلند آوازی سے نہیں پڑھتا۔"

㉔ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ»[2]

"قرآن کریم کو اپنی آوازوں کے ساتھ مزین کیا کرو۔"

براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی یہی فرمانِ نبوی، اس سے وسیع تر الفاظ میں یوں بھی آیا ہے:

«زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ» وَفِي رِوَايَةٍ: «حَسِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ، فَإِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يَزِيدُ الْقُرْآنَ حُسْنًا»[3]

"قرآن کریم کو اپنی آوازوں سے حسن دیا کرو۔ کیونکہ خوبصورت آواز قرآن کے حسن میں اضافہ کر دیتی ہے۔"

㉕ ایک اور حدیث میں یوں بھی الفاظ آئے ہیں:

«حَسَنُ الصَّوْتِ زِينَةُ الْقُرْآنِ»[4]

"خوبصورت آواز، قرآن کریم کا حسن ہے۔"

---

۱ صحیح بخاری: ۹/۱۵۴، رقم ۷۵۲۷

۲ سنن ابوداود: ۲/۷۴... رقم: ۱۴۶۸، قال الالبانی: صحیح

۳ صحیح ابوداود ۱۳۲۰، السلسلۃ الصحیحۃ ۷۷۱، مختصر قیام اللیل وقیام رمضان وکتاب الوتر: ص ۱۳۷، صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ: ۱/۶۰۱، رقم ۳۱۴۵، سنن دارمی ابن نصر فی الصلاۃ، صحیح، مشکاۃ المصابیح: ۲۲۰۸

۴ طبرانی عن ابن مسعود، رقم ۳۱۴۴... (حسن): السلسلۃ الصحیحۃ: ۱۸۱۵

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

(۲۶) ۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ»، قَالَ: فَقُلْتُ لِابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ: يَا أَبَا مُحَمَّدٍ، أَرَأَيْتَ إِذَا لَمْ يَكُنْ حَسَنَ الصَّوْتِ؟ قَالَ: «يُحَسِّنُهُ مَا اسْتَطَاعَ».[1]

"میں نے اللہ کے نبی ﷺ کو کہتے سنا کہ وہ ہم میں سے نہیں جو قرآن کو خوش الحانی سے نہیں پڑھتا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے ابن ابی ملیکہ سے کہا: یاابو محمد! اگر انسان کی آواز خوبصورت نہ ہو تو پھر؟ کہنے لگے: وہ بقدرِ استطاعت اس کو اچھا بنانے کی کوشش کرے۔"

خوش الحانی نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنّت ہے اور اس کو توجہ سے سننا اللہ تعالیٰ، نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کا طریقہ ہے!

(۲۷) نبی کریم ﷺ بہت خوبصورت انداز میں قرآن کریم کی تلاوت فرمایا کرتے، براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْعِشَاءِ: وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ فَمَا سَمِعْتُ أَحَدًا أَحْسَنَ صَوْتًا أَوْ قِرَاءَةً مِنْهُ[2]

"میں نے نبی ﷺ کو سنا کہ آپ نماز عشا میں سورت والتین کی تلاوت کررہے تھے، میں نے آپ سے اچھی آواز اور اچھی قراءت والا کوئی ایک بھی نہیں سنا۔"

(۲۸) آغاز میں نبی کریم ﷺ کی سورۃ الطور کی تلاوت کی تاثیر کا تذکرہ بھی ایک حدیث مبارکہ میں آیا تھا۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان روایت کرتے ہیں:

«مَا أَذِنَ اللهُ لِشَيْءٍ مَا أَذِنَ لِنَبِيٍّ حَسَنِ الصَّوْتِ يَتَغَنَّى بِالْقُرْآنِ، يَجْهَرُ بِهِ».[3]

"اللہ تعالیٰ کسی شے کو اتنا توجہ اور رانہماک سے نہیں سنتے، جتنا نبی کریم ﷺ کی خوبصورت تلاوت کو سنتے ہیں کہ وہ خوش الحانی اور بلند آواز سے قرآن پڑھتے ہیں۔"

---

۱ سنن ابو داود: ۲/۷۵، رقم ۱۴۷۱... حکم البانی: حسن صحیح

۲ صحیح بخاری: ۹/۱۵۸، رقم ۷۵۴۶

۳ صحیح مسلم: ۱/۵۴۵، رقم ۲۳۳، صحیح بخاری: ۹/۱۵۸، رقم ۷۵۴۴، ۶/۱۹۱، رقم ۵۰۲۳

صحیح مسلم کی اس حدیث کے شارح شیخ محمد فواد عبد الباقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

يتغنى بالقرآن، معناه عند الشافعي وأصحابه وأكثر العلماء من الطوائف وأصحاب الفتوى يحسن صوته به وقال الشافعي وموافقوه: معناه تحزين القراءة وترقيقها واستدلوا بالحديث الآخر «زينوا القرآن بأصواتكم» قال الهروي معنى يتغنى به يجهر به.

"خوش الحانی سے قرآن پڑھنے کا مطلب امام شافعی اور ان کے اصحاب، مختلف طبقوں کے اکثر علما اور مفتیانِ کرام کے نزدیک یہ ہے کہ آپ اس کے ساتھ آواز کو خوبصورت کیا کرتے۔ امام شافعی اور ان کے ہم نوا کہتے ہیں: اس کا مطلب ہے قرآن کو رقت اور خشیت الٰہی سے پڑھنا۔ اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ قرآن کو اپنی آوازوں سے حسن دو۔ امام ہروی کہتے ہیں کہ خوشی الحانی کا مطلب بلند آواز سے قرآن پڑھنا ہے۔"

اس حدیث میں أَذِن کا لفظ آیا ہے جس کا مطلب کان لگا کر سننا ہے، جیسا کہ قرآن کریم کی اس آیت میں آتا ہے: ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ ۝ وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝﴾[1]

"جب آسمان پھٹ جائے گا، اور وہ اپنے ربّ کے حکم پر (کاربند ہونے کے لیے) کان لگائے ہوئے ہو گا اور یہی اس کو لائق ہے۔"

(۲۹) اللہ تعالیٰ بھی خوبصورت انداز میں کی جانے والی تلاوت کو بڑی توجہ سے کان لگا کر سنتے ہیں، جیسے کہ اس حدیثِ مبارکہ میں بھی ارشاد ہے:

عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «للهُ أَشَدُّ أَذَنًا إِلَى الرَّجُلِ الْحَسَنِ الصَّوْتِ بِالْقُرْآنِ يَجْهَرُ بِهِ، مِنْ صَاحِبِ الْقَيْنَةِ إِلَى قَيْنَتِهِ»[2]

"بلاشبہ اللہ جل شانہ خوش الحان شخص کی تلاوت کو اس قدر توجہ اور انہماک سے سنتے ہیں کہ گانا سننے والا شخص گانے والیوں کو بھی اتنی توجہ سے نہیں سنتا ہو گا۔"

(۳۰) نبی کریم ﷺ کے صحابہ بھی خوش الحان شخص کی تلاوت کو بڑے ذوق وشوق سے سماعت فرمایا

---

۱ سورۃ انشقاق: ۲،۱

۲ سنن ابن ماجہ: ۱/۴۲۵، رقم ۱۳۴۰... تعلیق محمد فواد عبد الباقی: فی الزوائد إسنادہ حسن

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کرتے، جیسا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ کا ارشاد ہے:

«أَبْطَأْتُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ الله ﷺ لَيْلَةً بَعْدَ الْعِشَاءِ، ثُمَّ جِئْتُ فَقَالَ: «أَيْنَ كُنْتِ؟» قُلْتُ: كُنْتُ أَسْتَمِعُ قِرَاءَةَ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِكَ لَمْ أَسْمَعْ مِثْلَ قِرَاءَتِهِ وَصَوْتِهِ مِنْ أَحَدٍ، قَالَتْ: فَقَامَ وَقُمْتُ مَعَهُ حَتَّى اسْتَمَعَ لَهُ، ثُمَّ الْتَفَتَ إِلَيَّ فَقَالَ: «هَذَا سَالِمٌ مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ، الْحَمْدُ لله الَّذِي جَعَلَ فِي أُمَّتِي مِثْلَ هَذَا»[1]

"میں دورِ نبوی میں، نمازِ عشا کے بعد کچھ تاخیر سے نبی کریم کے پاس پہنچی تو آپ نے پوچھا: کہاں رہ گئیں تھیں تو میں نے کہا: میں آپ کے صحابہ میں سے ایک شخص کی تلاوت سن رہی تھی، میں نے اس جیسی تلاوت اور آواز پہلے کبھی نہیں سنی۔ سیدہ فرماتی ہیں کہ آپ کھڑے ہوگئے اور میں آپ کے ساتھ کھڑی ہوگئی حتیٰ ہم نے وہ تلاوت سننا شروع کردی۔ پھر آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: یہ ابوحذیفہ کے آزاد کردہ غلام سالم ہیں۔ سب تعریفیں اس ربِ ذوالجلال کے لیے جس نے میری اُمت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے۔"

(۳۱) خوبصورت تلاوتِ قرآن کرنے والے صحابہ کرام میں، ایک سالم مولیٰ ابوحذیفہ ہیں، جن کا ذکر ملحقہ حدیث میں گزرا، اسی طرح عبد اللہ بن مسعود ہیں، جن سے نبی کریم نے خود تلاوتِ قرآن کی فرمائش کی تھی، اور ان کی تلاوت سننے پر آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی تھی۔ انہی کی تلاوت کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عَنْ عَبْدِ الله بْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ أَبَا بَكْرٍ، وَعُمَرَ، بَشَّرَاهُ أَنَّ رَسُولَ الله ﷺ قَالَ: «مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَقْرَأَ الْقُرْآنَ غَضًّا كَمَا أُنْزِلَ، فَلْيَقْرَأْهُ عَلَى قِرَاءَةِ ابْنِ أُمِّ عَبْدٍ»[2]

"سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابوبکر و عمر نے انہیں خوشخبری دی کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں کہا تھا کہ جو قرآن کو اس اصل ڈھنگ (طریقہ اور ہیئت) پر سننا چاہتا ہے جیسے وہ نازل ہوا تھا تو اسے ابن اُمِّ عبد (عبد اللہ بن مسعود) کی تلاوت کے مطابق پڑھنا چاہیے۔"

(۳۲) نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جن کا نام عبد اللہ بن قیس ہے، بھی بہت خوبصورت تلاوتِ قرآن فرمایا کرتے۔ عبد اللہ بن بریدہ اپنے والد سے نبی مکرم ﷺ کا

۱ سنن ابن ماجہ: ۱/۴۲۵، رقم ۱۳۳۸، قال الالبانی: صحیح
۲ سنن ابن ماجہ: ۱/۴۹، رقم ۱۳۸، قال الالبانی: صحیح

یہ فرمان روایت کرتے ہیں:

«إِنَّ عَبْدَ الله بْنَ قَيْسٍ أَوِ الْأَشْعَرِيَّ أُعْطِيَ مِزْمَارًا مِنْ مَزَامِيرِ آلِ دَاوُدَ»[1]

"عبد اللہ بن قیس یا ابوموسیٰ اشعری کو آلِ داود کی بانسریوں میں سے ایک بانسری دی گئی ہے۔"

اس حدیث کی شرح میں شیخ محمد فواد عبد الباقی لکھتے ہیں:

«أعطي مزمارا من مزامير آل داود» شبه حسن الصوت وحلاوة نغمته بصوت المزمار وداود هو النبي عليه السلام وإليه المنتهى في حسن الصوت بالقراءة والآل في قوله آل داود مُقحَمَة قيل معناه ههنا الشخص كذا في النهاية وقال النووي قال العلماء المراد بالمزمار هنا الصوت الحسن وأصل الزمر الغناء

"آلِ داود کی بانسریوں، حسن صوت اور نغمہ کی حلاوت میں بانسری سے تشبیہ دینا مراد ہے۔ داود علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں، اور آپ خوش الحانی میں حرفِ آخر ہیں۔ آلِ داود میں آل کا لفظ زائد ہے۔ کہا گیا کہ اس کا مطلب شخص ہے جیسا کہ النہایۃ میں ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علما کہتے ہیں کہ مزمار سے مراد خوبصورت آواز ہے اور زمر کا اصل مطلب نغمگی ہے۔"

(۳۳) نبی کریم ﷺ سیدنا عبد اللہ بن مسعود کی طرح، سیدنا ابوموسیٰ اشعری کی تلاوت بھی سماعت فرماتے، ابوموسیٰ اشعری سے مروی ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَوْ رَأَيْتَنِي وَأَنَا أَسْتَمِعُ لِقِرَاءَتِكَ الْبَارِحَةَ، لَقَدْ أُوتِيتَ مِزْمَارًا مِنْ مَزَامِيرِ آلِ دَاوُدَ»[2]

"اگر تو مجھے اس حال میں دیکھتا کہ کل رات تیری تلاوت سن رہا تھا (تو تجھے اچھا لگتا)۔ تجھے آلِ داود کی بانسریوں میں سے ایک بانسری عطا کی گئی ہے۔"

(۳۴) نبی کریم ﷺ جس طرح صحابہ سے تلاوتِ قرآن سنتے، اسی طرح اپنے صحابہ کو تلاوتِ قرآن سنایا کرتے، تاکہ قرآن سننے اور سنانے سے تذکیر وموعظت حاصل ہو، اور اس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی

۱ صحیح مسلم: ۱/۵۴۶، رقم ۲۳۵
۲ صحیح مسلم: ۱/۵۴۶، رقم ۲۳۶

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کریم ﷺ کا طریقۂ تلاوت پوری طرح محفوظ کرلیں، جیسا کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا:

قَالَ لِأُبَيٍّ: «إِنَّ اللهَ أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ»، قَالَ: آللهُ سَمَّانِي لَكَ؟ قَالَ: «اللهُ سَمَّاكَ لِي»، قَالَ: فَجَعَلَ أُبَيٌّ يَبْكِي[1]

"آپ نے اُبی سے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تجھے قرآنِ کریم سناؤں۔ ابی کہنے لگے کہ کیا آپ کے لیے اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے، آپ نے جواب دیا کہ تیرا نام اللہ تعالیٰ نے میرے لیے بولا ہے۔ اُبی بن کعب یہ سن کر (خوشی سے) رونے لگے۔"

اس سے اگلی حدیث میں آتا ہے کہ جس سورہ کو پڑھ کر سنانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا، وہ سورۃ البینہ لم یکن الذین کفروا تھی۔

خوش الحانی میں آواز کو کھینچنا اور ترجیع کرنا

(۳۵) پیچھے بلند آوازی، رقت، خشیت، سوز، معانی میں غور و تدبر، آیات کو دہرانا اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا وغیرہ کی احادیث بیان ہوئی ہیں۔ آپ ﷺ خوش الحانی کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا کرتے، ذیل میں اس کی مزید تفصیلات ملاحظہ فرمائیں:

سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «كَانَ يَمُدُّ مَدًّا»[2]

"میں نے انس بن مالک سے نبی کریم ﷺ کی قراءت کے بارے دریافت کیا تو آپ نے کہا: آپ الفاظ کو لمبا کھینچا کرتے تھے۔"

(۳۶) ایک اور حدیث میں مد کی مزید تفصیل ہے:

سُئِلَ أَنَسٌ كَيْفَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ ﷺ؟ فَقَالَ: «كَانَتْ مَدًّا»، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ﴾[الفاتحة: ١] يَمُدُّ بِبِسْمِ اللهِ، وَيَمُدُّ بِالرَّحْمَنِ، وَيَمُدُّ بِالرَّحِيمِ[3]

---

۱ صحیح مسلم: ۱/۵۵۰، رقم ۲۴۵
۲ صحیح بخاری: ۶/۱۹۵، رقم ۵۰۴۵
۳ صحیح بخاری: ۶/۱۹۵، رقم ۵۰۴۶

"انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نبی کریم ﷺ کی قراءت کے بارے پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ وہ آواز کھینچنے کے ساتھ ہوتی تھی۔ پھر انہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر سنائی کہ بسم اللہ کو کھینچا کرتے، اور الرحمٰن اور الرحیم پر مدّ کیا کرتے۔"

(۳۷) مد کے علاوہ آپ ﷺ خوش الحانی کے لیے آواز کو دہرایا (ترجیع) بھی کرتے۔ علما نے ترجیع کی وضاحت ترديد الصوت أو هو تحسين الصوت یعنی "آواز کو دہرانا یا اس میں خوبصورتی کے لیے لہریں پیدا کرنا۔" سے کی ہے، عبد اللہ بن معقل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ وَهُوَ عَلَى نَاقَتِهِ أَوْ جَمَلِهِ، وَهِيَ تَسِيرُ بِهِ، وَهُوَ يَقْرَأُ سُورَةَ الفَتْحِ - أَوْ مِنْ سُورَةِ الفَتْحِ - قِرَاءَةً لَيِّنَةً يَقْرَأُ وَهُوَ يُرَجِّعُ»[1]

"میں نے نبی کریم ﷺ کو آپ کی اونٹنی یا اونٹ پر قرآن پڑھتے سنا۔ اور وہ آپ کو لیے چل رہی تھی۔ آپ سورۃ الفتح یا اس سورت میں سے کچھ پڑھ رہے تھے۔ بڑی پر سوز انداز میں تلاوت کرتے اور اس میں ترجیع فرماتے۔"

(۳۸) عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ، قَالَ: «رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَهُوَ عَلَى نَاقَةٍ يَقْرَأُ بِسُورَةِ الْفَتْحِ، وَهُوَ يُرَجِّعُ»[2]

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو فتح مکہ کے دن دیکھا کہ آپ اونٹنی پر سوار، سورۃ الفتح کی تلاوت کررہے ہیں اور آپ اس میں ترجیع (دہرانا) کررہے ہیں۔"

(۳۹) یہی حدیثِ مبارکہ صحیح مسلم میں ان الفاظ سے، عبد اللہ بن مغفل سے مروی ہے:

«قَرَأَ النَّبِيُّ ﷺ عَامَ الْفَتْحِ فِي مَسِيرٍ لَهُ سُورَةَ الْفَتْحِ عَلَى رَاحِلَتِهِ، فَرَجَّعَ فِي قِرَاءَتِهِ» قَالَ مُعَاوِيَةُ: «لَوْلَا أَنِّي أَخَافُ أَنْ يَجْتَمِعَ عَلَيَّ النَّاسُ لَحَكَيْتُ لَكُمْ قِرَاءَتَهُ»[3]

"نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ والے سال، اپنے سفر میں، سورۃ الفتح کو اپنی اونٹنی پر پڑھا۔ اس

---

۱ صحیح بخاری: ۶/۱۹۵، رقم ۵۰۴۷
۲ سنن ابوداود: ۲/۴۷، رقم ۱۴۶۷، قال الالبانی: صحیح
۳ صحیح مسلم: ۱/۵۴۷، رقم ۲۳۷

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

تلاوت میں آپ نے ترجیع کی۔ سیدنا معاویہ کہتے ہیں کہ اگر مجھے (اس وقت) لوگوں کے اپنے اوپر جمع ہو جانے (ٹوٹ پڑنے) کا خوف نہ ہوتا تو میں تمھیں نبی کریم کی وہ قراءت کر کے سناتا۔"

اس حدیث کی شرح میں شیخ فواد عبد الباقی فرماتے ہیں:

«فرجّع في قراءته» قال القاضي: أجمع العلماء على استحباب تحسين الصوت بالقراءة وترتيلها. قال أبو عبيد: والأحاديث الواردة في ذلك محمولة على التحزين والتشويق. قال واختلفوا في القراءة بالألحان. فكرهها مالك والجمهور لخروجها عمّا جاء القرآن له من الخشوع والتفهم، وأباحهم أبو حنيفة وجماعة من السلف. والترجيع ترديد الصوت في الحلق وقد حكى عبد الله بن مغفّل ترجيعه عليه السلام بمدّ الصوت في القراءة نحو آآآ.

"اپنی قرآت میں ترجیع کی۔ قاضی عیاض کہتے ہیں کہ علما کا تلاوت و ترتیل قرآن میں آواز کو مزین کرنے پر اجماع ہے۔ ابو عبید کا کہنا ہے کہ اس سلسلے میں وارد احادیث پر سوز اور پر شوق کرنے پر محمول ہیں۔ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کو خوبصورت الحان سے پڑھنے میں علما کا اختلاف ہے۔ امام مالک اور جمہور نے ایسی خوش الحانی کو مکروہ قرار دیا ہے جس سے تلاوتِ قرآن کا خشوع اور معانی میں فکر و تدبر متاثر ہو۔ جبکہ امام ابو حنیفہ اور اسلاف نے بہر حال اس کو مستحب کہا ہے۔ اور ترجیع سے مراد حلق میں آواز کو لوٹانا ہے۔ جیسا کہ عبد اللہ بن مغفل نے نبی کریم کی ترجیع کو آواز کھینچنے سے بیان کیا ہے، جیسے آآآ۔"

۴۰ ترجیع کی تائید اس حدیث مبارکہ سے بھی ہوتی ہے، جو اُمّ ہانی سے مروی ہے:

«كُنْتُ أَسْمَعُ صَوْتَ رَسُولِ الله ﷺ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ وَأَنَا نَائِمَةٌ عَلَى عَرِيشِي وَهُوَ يُصَلِّي يُرَجِّعُ بِالْقُرْآنِ»[1]

"میں نبی کریم ﷺ کی آواز سن رہی تھی کہ آپ وسطِ رات کو تلاوت کر رہے تھے حالانکہ میں اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ آپ نماز میں قرآن کو ترجیع سے پڑھ رہے تھے۔"

١ شرح معانی الآثار: ۱/ ۳۴۴، رقم ۲۰۲۴

محمد نعمان فاروقی

نبی کریم ﷺ کے روزانہ کے معمولات

اس عنوان کے تحت نہ تو آپ ﷺ کی عبادات کے مکمل احوال بیان کیے جاسکتے ہیں اور نہ روزمرہ کے اذکار ذکر کیے جاسکتے ہیں کیونکہ اس کے لیے بہت سے صفحات درکار ہیں۔ یہاں تو بس آپ ﷺ کے روزانہ کے معمولات کا ایک سرسری سا خاکہ سامنے رکھنا مقصود ہے کہ آپ ﷺ کون سا کام کس وقت اور کتنے دورانیے میں کیا کرتے تھے جس کے سلسلے میں راقم نے آپ ﷺ کے اقوال و افعال کو پیش نظر رکھا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

تہجد کے لیے اُٹھنا

حسبِ ذیل روایات کو سامنے رکھیں تو اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ رات کی آخری تہائی سے پہلے بیدار ہو جایا کرتے تھے۔

الف: نبی ﷺ نے سیدنا داود علیہ السلام کے قیام کو اللہ کے ہاں پسندیدہ قرار دیا۔ اور حدیث میں وضاحت ہے کہ وہ رات کا ایک تہائی قیام کرتے تھے۔[1]

ب: نبی مکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب رات کی آخری تہائی ہوتی ہے تو اللہ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے اور... گویا اس حدیث میں اس وقت حالتِ بیداری میں ہونے کی ترغیب ہے اور یہ کیونکر ممکن ہے کہ آپ ﷺ اس وقت آرام کر رہے ہوں۔

ج: سیدنا مسروق کہتے ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہؓ سے پوچھا کہ آپ ﷺ کب (قیام اللیل کے لیے) اُٹھتے تھے؟ وہ فرمانے لگیں: آپ ﷺ اس وقت بیدار ہوتے تھے جب مرغ کی آواز سن لیتے تھے۔[2]

جب آپ اُٹھتے تو وضو کا پانی اور مسواک آپ کے سرہانے کے پاس موجود ہوتے تھے۔[3]

١ صحیح بخاری: ۱۱۳۱
٢ صحیح بخاری: ۱۱۳۲
٣ سنن ابی داود: ۱۳۴۶

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

تہجد سے پہلے آپ ﷺ مسواک کرلیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا قَامَ الرَّجُلُ يَتَوَضَّأُ لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ وَاسْتَنَّ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى أَطَافَ بِهِ الْـمَلَكُ وَدَنَا مِنْهُ حَتّٰى يَضَعَ فَاهُ عَلٰى فِيهِ»[1]

''جب آدمی رات یا دن کو بیدار ہوتا ہے، وہ وضو کرتا ہے اور اچھے انداز سے کرتا ہے اور مسواک کرتا ہے تو فرشتہ اسے گھیر لیتا ہے اور اس کے قریب ہوجاتا ہے حتی کہ اپنا منہ اس کے منہ پر رکھ لیتا ہے...''

نمازِ تہجد

رسول اکرم ﷺ گیارہ رکعات پڑھا کرتے تھے۔ ٹھہر ٹھہر کر سکون اور اطمینان سے پڑھنے میں کم از کم ڈیڑھ سے دو گھنٹے لگتے ہوں گے۔ ہمارے ہاں جو قرائے کرام وتر سمیت رکعات تراویح پڑھاتے ہیں، ان میں سے ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے والے ڈیڑھ سے پونے دو گھنٹے صرف کرتے ہیں۔

اگر ہم پاکستان اور بھارت کی گرمیوں اور سردیوں کی راتوں کو تین حصوں میں تقسیم کریں تو رات کی آخری تہائی سردیوں میں تقریباً ۳ بجے اور گرمیوں میں تقریباً ۲ بجے شروع ہوجاتی ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ آپ ﷺ ہمارے یہاں کے حساب کے مطابق سردیوں میں ۳ بجے کے قریب اور گرمیوں میں ۲ بجے کے قریب بیدار ہوجایا کرتے تھے۔

نمازِ تہجد کے بعد: نبی ﷺ تہجد کے بعد اذانِ فجر سے پہلے آرام فرماتے تھے۔ اس کی ایک دلیل تو سیدہ عائشہؓ کی روایت ہے، کہتی ہیں کہ میرے ہاں جب بھی آپ ﷺ کی سحری کا وقت ہوتا تو آپ آرام فرما رہے ہوتے۔[2]

دوسری دلیل یہ ہے کہ سیدنا داؤد علیہ السلام کے قیام کی گزشتہ روایت میں یہ وضاحت ہے کہ وہ رات کا تہائی حصہ قیام فرماتے اور (آخری) چھٹے حصے میں آرام کرتے۔ اور آپ ﷺ نے اس قیام کو پسندیدہ قرار دیا تھا۔ آپ کا اپنا معمول بھی یہی تھا۔ اسی لیے سیدنا ابن عباسؓ آپ کے معمول کے متعلق بتاتے ہیں: ''آپ ﷺ نے (تہجد کی) نماز پڑھی اور آرام کیا، پھر مؤذن آپ ﷺ کے پاس آیا تو آپ اُٹھے اور

---

1. الجامع الصغیر: ۷۲۵... صحیح
2. صحیح بخاری: ۱۱۳۳

نماز پڑھائی اور آپ نے وضو نہ کیا۔'' یہ وہ وقت تھا جس میں آپ ﷺ کے پاس کوئی نہیں آتا تھا۔[1] سیدنا ابن عباسؓ کی وضاحت بتا رہی ہے کہ اذانِ فجر سے قبل آپ ﷺ کچھ آرام فرماتے تھے۔

نمازِ فجر

اذانِ فجر کے بعد آپ ﷺ ہلکی سی دو رکعتیں پڑھتے۔ سیدہ عائشہؓ کہتی ہیں کہ یہ رکعتیں اس قدر مختصر ہوتی تھیں کہ میں کہتی: آیا آپ نے سورۂ فاتحہ بھی پڑھی ہے؟[2]

فجر کی سنتوں میں آپ ﷺ کیا پڑھتے تھے؟ آیئے اس کا جواب اس صحابی کے الفاظ میں پڑھتے ہیں جو مہینہ بھر اس جستجو میں رہے کہ آپ ﷺ فجر کی سنتوں میں کن آیات کی تلاوت کرتے ہیں۔ وہ صحابی ہیں: سیدنا عبداللہ بن عمرؓ۔ وہ کہتے ہیں: آپ ﷺ فجر کی سنتوں میں سورۃ ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ﴾ اور سورۃ ﴿قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ﴾ پڑھتے تھے۔''[3]

فجر کی سنتوں کے بعد اپنے دائیں پہلو پر لیٹتے تھے۔[4] سنتوں کے بعد فجر کی نماز پڑھاتے۔ عمومی طور پر (ایک رکعت میں) ۶۰ سے ۱۰۰ آیات تک تلاوت فرماتے۔[5]

نمازِ فجر کے بعد

نمازِ فجر کے بعد ذکر اذکار فرماتے۔ اور اس کے بعد نبی ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رات دیکھے گئے خوابوں کی تعبیر بھی بتاتے۔ لوگوں سے باقاعدہ پوچھتے: «هَلْ رَأٰى أَحَدٌ مِّنْكُمُ اللَّيْلَةَ رُؤْيَةً»[6] ''کیا تم میں سے کسی نے آج رات کوئی خواب دیکھا ہے؟''

رسول اکرم ﷺ نے اگر کوئی خواب دیکھا ہوتا تو آپ وہ بھی بیان فرماتے جیسا کہ صحیح بخاری میں آپ ﷺ کا ایک طویل خواب ہے جو نمازِ فجر کے بعد آپ نے بیان کیا تھا۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اس

---

1. صحیح بخاری: ۷۲۶
2. صحیح بخاری: ۱۱۸۰
3. صحیح بخاری: ۱۱۷۱
4. صحیح بخاری: ۳۱۷
5. صحیح بخاری: ۱۱۲۳
6. صحیح بخاری: ۵۹۹
7. السلسلۃ الصحیحۃ: ۱/۱۷۴، حدیث: ۴۷۳

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

پر یہ باب قائم کیا ہے: ''صبح کی نماز کے بعد خواب کی تعبیر بیان کرنا۔''[1]

اگر رات کو کوئی وحی آئی ہوتی تو وہ بھی نمازِ فجر کے بعد ہی لوگوں کو بتاتے۔ جیسا کہ سیدنا کعب بن مالک ؓ اور ان کے دو رُفقا: ہلال بن اُمیہ ؓ اور مرارہ بن ربیع ؓ کی توبہ کی قبولیت کی اطلاع بذریعہ وحی رات کو آگئی تھی۔ سیدہ اُمّ سلمہ ؓ نے رات ہی کو سیدنا کعب ؓ کی طرف خوشخبری بھیجنے کی اجازت چاہی، آپ ﷺ نے اجازت نہ دی بلکہ فجر کے بعد یہ اطلاع دی۔[2]

نمازِ فجر سے طلوعِ آفتاب کے دورانیے میں آپ ﷺ لوگوں سے محوِ گفتگو بھی ہوتے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: سیدنا سماک بن حرب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا جابر ؓ سے پوچھا: کیا آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مجلس کیا کرتے تھے؟ وہ کہنے لگے: ہاں، بہت زیادہ۔ آپ ﷺ تو جس جگہ نمازِ فجر پڑھتے تھے، طلوع آفتاب تک وہیں بیٹھے رہتے تھے۔ سورج طلوع ہوتا تو آپ ﷺ وہاں سے اُٹھتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ سے باتیں کرتے رہتے، پھر ایامِ جاہلیت کا تذکرہ بھی کرتے اور (ان باتوں) پر ہنستے بھی اور آپ ﷺ مسکرا رہے ہوتے۔[3]

طلوعِ آفتاب کے بعد اشراق کے نفل

طلوعِ آفتاب کے بعد آپ ﷺ ضحیٰ کی نماز پڑھتے۔ یہ ۲ تا ۸ رکعات ہوتی تھی۔ فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے ۸ رکعات پڑھی تھیں۔[4] سیدہ معاذہ نے اُمّ المومنین عائشہ ؓ سے پوچھا کہ آپ ﷺ ضحیٰ کی نماز کی کتنی رکعات پڑھتے تھے؟ کہنے لگیں: چار رکعات اور اس سے زیادہ جتنی چاہتے۔[5]

لگتا ایسے ہے کہ آپ ﷺ نمازِ ضحیٰ مسجد ہی میں ادا فرماتے تھے۔ اس کی ایک دلیل تو سیدہ جویریہ ؓ کی حدیث ہے جس میں وضاحت گزری ہے کہ آپ ﷺ ضحیٰ کی نماز پڑھنے کے بعد ان کے ہاں تشریف لائے۔[6] دوسری دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے نمازِ فجر کے بعد اشراق تک مسجد میں بیٹھنے کی

1 صحیح بخاری: ۷۰۴۷
2 صحیح بخاری: ۴۴۱۸
3 صحیح مسلم: ۲۳۲۲
4 صحیح بخاری: ۳۵۷
5 صحیح مسلم: ۷۱۹
6 صحیح مسلم: ۲۷۲۶

فضیلت بیان فرمائی ہے۔ حدیث ہے:

«مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ فِي جَمَاعَةٍ، ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللهَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ، كَانَتْ لَهُ كَأَجْرِ حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ»[1]

''جس نے جماعت کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی، پھر طلوعِ آفتاب تک بیٹھا ذکر اذکار کرتا رہا، پھر اس نے دو رکعات ادا کیں تو اسے ایک حج اور عمرے جتنا ثواب ملتا ہے۔''

پینے کے پانی میں نبی ﷺ کا ہاتھ مبارک

اس دوران مدینہ منورہ کے رہائشیوں کے خادم اپنے پانی کے برتن وغیرہ لے آتے جن میں پانی بھی ہوتا۔ جو بھی برتن آپ ﷺ کے پاس لایا جاتا، آپ اس میں اپنا ہاتھ مبارک ڈالتے۔ کبھی سخت سردی میں بھی لایا جاتا تو آپ ﷺ پھر بھی اپنا ہاتھ پانی میں ڈال دیتے۔[2]

ناشتہ

اس کے بعد ناشتہ کرتے لیکن یہ طلوع آفتاب کے فوری بعد نہیں بلکہ کچھ تاخیر سے ہوتا تھا کیونکہ اگر ضحیٰ کی نماز کے بعد فوری ناشتہ کرنے کی عادت ہوتی تو سیدہ جویریہ کو مصلے کی بجائے چولہے کے پاس ہونا چاہیے تھا۔ مگر ناشتے میں زیادہ تاخیر بھی نہیں ہوتی تھی کیونکہ سیدہ عائشہ ؓ کہتی ہیں کہ آپ ﷺ جب میرے ہاں آتے تو پوچھتے: «هَلْ عِنْدَكُمْ طَعَامٌ؟» ''تمھارے پاس کھانے کو کچھ ہے؟'' تو جب ہم کہتے: نہیں تو آپ ﷺ فرماتے: «إِنِّي صَائِمٌ» ''بے شک میں روزہ رکھ لیتا ہوں۔''[3]

ان روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ازواج مطہرات کو اپنی عبادت کا موقع بھی دیتے تھے۔

کہیں آنے جانے کا وقت

اس کے بعد کسی کام سے جانا ہوتا تو چلے جاتے۔ جیسا کہ ایک دن سیدنا عِتبان بن مالک ؓ نے آپ ﷺ کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں عنقریب ایسا کروں گا۔ اور اگلے

1 جامع ترمذی: ۵۸۶؛ السلسلۃ الصحیحۃ: ۳۴۰۳
2 صحیح مسلم: ۲۳۲۴
3 سنن ابی داود: ۲۴۵۵

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

دن پہلے پہر آپ ﷺ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اُن کے ہاں پہنچ گئے اور جاتے ہی نماز پڑھائی۔[1]

میرا استدلال یہاں یہ ہے کہ آنے جانے کا یہ وقت طلوع آفتاب کے بعد تھا کیونکہ اگر یہ وقت طلوعِ آفتاب سے پہلے کا ہوتا تو اس وقت تو نفل نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔ اور اس کی مزید دلیل صحیح بخاری کی اسی حدیث میں امْتَدَّ النَّهَارُ[2] کے الفاظ بھی ہیں جس کے معنی ہیں: "دن چڑھ گیا۔"

سیدنا انس رضی اللہ عنہ غزوہ خیبر کے موقع پر خیبر پہنچنے کا وقت بتاتے ہیں:

"صَبَّحْنَا خَيْبَرَ بُكْرَةً"[3] "ہم صبح سویرے خیبر پہنچ گئے۔"

اسی طرح سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ اور انصار و مہاجرین ایک سرد ترین صبح کو خندق کھودنے کے لیے نکلے۔[4]

احادیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے دن کے ابتدائی حصے میں برکت کی دعا کی تھی[5] چنانچہ آپ ﷺ نے کوئی لشکر روانہ کرنا ہوتا تو دن کے آغاز ہی میں بھیجتے۔[6] اور خود جانا ہوتا تو بھی اسی وقت جاتے۔ اسی طرح آپ ﷺ کے پاس ملاقات کے لیے اکثر لوگ پہلے پہر ہی آتے تھے۔ سیدنا طارق اشجعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"ہم ایک صبح نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ایک اور آدمی بھی آیا۔ ایک خاتون بھی آئی۔ وہ آدمی پوچھنے لگا..."[7]

بہر حال عہدِ نبوی ﷺ کا یہ معمول سامنے آتا ہے کہ وہ ناشتے سے لے کر زوال تک کے وقت میں روزانہ کے آنے جانے کے اور ضروری کام نمٹا لیتے تھے۔

1 صحیح بخاری:۴۲۵
2 صحیح بخاری:۱۱۷۱
3 صحیح بخاری:۲۸۳۴
4 صحیح بخاری:۷۲۰۱
5 سنن ابی داود:۲۶۰۶
6 سنن ابی داود:۲۶۰۶
7 صحیح الادب المفرد:۱/۴۴۵،۵۰۷

نماز ظہر

آپ ﷺ کا معمول نمازوں کو اوّل وقت میں پڑھنے کا تھا۔ اور ظہر کا وقت زوال کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے وقت کے مطابق سردیوں میں ۱۲ بجے کے قریب قریب اور گرمیوں میں ساڑھے بارہ کے قریب نماز پڑھاتے تھے۔ ظہر کی پہلی سنتوں کی آپ ﷺ نے ترغیب دی ہے۔ یقیناً آپ خود بھی پڑھتے تھے۔ اس کے بعد ظہر کی نماز کی امامت فرماتے۔ ظہر کی نماز میں عموماً کتنی تلاوت فرماتے؟ اس سلسلے میں سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہماری رہنمائی کرتے ہیں:

"ہم نے نبی ﷺ کی ظہر اور عصر کی نماز کا اندازہ لگایا۔ چنانچہ ظہر کی پہلی دو رکعتوں کے قیام کا دورانیہ ۳۰ آیات کی تلاوت کے برابر تھا، یعنی سورۂ الم السجدہ کی تلاوت جتنا اور دوسری دو رکعتوں میں قیام اس کے نصف کے برابر (۱۵ آیات کی تلاوت جتنا) ہوتا تھا۔ اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں قیام ظہر کی آخری دو رکعتوں کے دورانیے (۱۵ آیات کی تلاوت جتنا) ہوتا تھا جبکہ عصر کی آخری دو رکعات پہلی دو رکعات سے آدھی ہوتی تھیں (۷،۸ آیات کے برابر)۔"[1]

ہماری تحقیق کے مطابق ۳۰ آیات کی تلاوت میں اندازاً ۸ سے ۹ منٹ لگتے ہیں، اس طرح ظہر کی پہلی ۲ رکعتوں کا دورانیہ ۸ سے ۹ منٹ اور دوسری ۲ رکعتوں کا ۴ سے ۵ منٹ ہوتا تھا۔ اس طرح ظہر کی نماز تقریباً ۱۴، ۱۵ منٹ پر مشتمل ہوتی تھی۔ واللہ اعلم

اور اس کے بعد ذکر اذکار کر کے سنتیں ادا فرماتے۔ اس دوران بھی آپ کے ہاں مختلف وفود آتے۔ غالب طور پر نمازوں کے اوقات میں وفود آتے کہ اس کے بعد آپ ﷺ سے ملاقات ہو جائے گی۔ ایک دوسرا پہلو یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ وفود کی خواہش ہوتی کہ زیادہ سے زیادہ صحابہ سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔ جیسا کہ ایک دن ظہر کی نماز پر وفد عبد القیس کی آمد ہوئی اور آپ ﷺ ان میں مشغول ہو گئے۔ آپ ﷺ کی ظہر کی سنتیں بھی رہ گئیں، پھر آپ نے وہ سنتیں عصر کے بعد سیدہ امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ادا کیں۔[2]

1 سنن ابی داود:۸۰۴
2 صحیح بخاری:۱۲۳۳

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

قیلولہ

نبی کریم ﷺ دوپہر کے وقت آرام بھی فرماتے تھے جسے 'قیلولہ' کہا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کے خادم خاص سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ دوپہر کے آرام کی وضاحت ان الفاظ سے فرماتے ہیں: ''میں کسی ایک دن آپ ﷺ کی خدمت کرتا رہا، جب میں نے دیکھا کہ میں آپ ﷺ کی خدمت سے فارغ ہو چکا ہوں۔ میں نے (دل میں) کہا آپ ﷺ قیلولہ فرمائیں، چنانچہ میں وہاں سے چلا آیا۔ وہاں (راستے میں) کچھ بچے کھیل رہے تھے۔ میں وہاں رُک گیا اور ان کا کھیل دیکھنے لگا۔ اتنے میں آپ ﷺ ان بچوں کے پاس پہنچ گئے اور انھیں سلام کیا، پھر مجھے بلایا اور مجھے کسی کام سے بھیج دیا...''[1]

اس روایت سے قیلولے کے متعلق کچھ باتیں واضح ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ نبی ﷺ قیلولہ فرمایا کرتے تھے۔ جس کا سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو اندازہ تھا اور انھوں نے وہ لمحات آپ ﷺ کو فراہم کیے۔ دوسرے یہ کہ قیلولہ گھنٹوں آرام کرنے کا نام نہیں ہے۔ یہ کچھ دیر آرام کرنے کا نام ہے جسے ہم ستانے یا ریلیکس ہونے سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

مسند احمد میں اس کی کچھ وضاحت اس طرح ہے: سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے کسی کام سے بھیجا اور خود دیوار کے سائے میں تشریف فرما ہو گئے۔[2] اس روایت سے قیلولے کے وقت کی وضاحت ملتی ہے۔ وہ اس طرح کہ آپ ﷺ دیوار کے سائے میں تشریف فرما ہوئے اور دیوار کا اتنا سایہ جس میں بیٹھا جا سکے وہ یا تو دس گیارہ بجے تک ہوتا ہے یا پھر دو تین بجے کے بعد، لہٰذا زیادہ گمان یہی ہے کہ یہ ۳، ۲ بجے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ اور سائے میں تشریف فرما ہونا بتا رہا ہے کہ یہ گرمیوں کی ایک دوپہر تھی۔

دراصل قیلولہ دوپہر کے کسی بھی وقت آرام کرنے کا نام ہے۔ آپ ﷺ کو دوپہر کے اوقات میں جب بھی وقت میسر آتا، آپ قیلولہ فرما لیتے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے موسم گرما میں ہفتے کے ۶ دن نمازِ ظہر سے پہلے اور جمعے والے دن جمعے کے بعد آپ ﷺ کے قیلولے کا استدلال کیا ہے۔ جس روایت سے انھوں نے استدلال کیا ہے وہ یہ ہے کہ سیدنا ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں:

---

۱ صحیح الادب المفرد: ۸۸۵

۲ مسند احمد: ۵/۲۲۲

وَكَانَ لاَ يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتَّى يَنْصَرِفَ فَيُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ[1]

''اور آپ ﷺ جمعے کے بعد (مسجد میں) نماز نہیں پڑھتے تھے بلکہ (گھر) واپس جا کر دو رکعات پڑھتے تھے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس روایت کا حوالہ دے کر رقم طراز ہیں:

''بے شک آپ ﷺ جمعہ جلدی ادا کرتے تھے، اس کے بعد قیلولے کے لیے جاتے تھے۔ لیکن نمازِ ظہر کا معاملہ اس کے برعکس تھا۔ (گرمیوں میں) اسے آپ قدرے ٹھنڈا (تاخیر) کرکے پڑھتے اور قیلولہ اس سے پہلے کر لیا کرتے۔''[2]

نبی ﷺ کے دوپہر کے آرام کے وقت اور اس کے دورانیے کے اندازے کے بعد اب ہم یہ جانتے ہیں کہ آپ ﷺ قیلولہ اکثر کہاں فرمایا کرتے تھے۔ یہ سعادت دو جلیل القدر صحابیات سیدہ ام سُلیمؓ اور سیدہ اُمّ حرام بنت ملحانؓ کے حصے میں آتی تھی۔ اُمّ سلیم سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں، اور آپ ﷺ کی رضاعی خالہ تھیں[3] اور سیدہ اُم حرام بنت ملحانؓ ام سلیمؓ کی بہن تھیں، اس لیے یہ بھی آپ ﷺ کی رضاعی خالہ لگیں۔ اس لیے آپ ﷺ ان دونوں کے لیے محرم بھی تھے اور ان کے ہاں قیلولہ بھی فرما لیتے تھے۔ سیدہ ام سلیمؓ کے ہاں قیلولہ کرنے کی روایت، انھی کے لختِ جگر سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ ام سلیمؓ کے ہاں آیا کرتے تھے اور اُن کے ہاں قیلولہ فرماتے تھے۔ وہ آپ ﷺ کے لیے بستر بچھا دیا کرتی تھیں۔ اسی دوران وہ آپ ﷺ کا مبارک پسینہ بھی (بطور خوشبو) شیشی میں بھر لیا کرتیں۔''[4] سیدہ اُمّ سلیم اور سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہما دونوں ہی ملحان کی بیٹیاں تھیں۔

اکثر طور پر قیلولہ انھی کے ہاں ہوتا تھا۔ مگر جب کبھی آپ وادیٔ قبا کا رخ فرماتے تو یہ سعادت اُمّ حرامؓ کے حصے میں آ جاتی۔ یہ روایت بھی ام حرامؓ کے بھانجے سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''نبی ﷺ جب قبا جایا کرتے تھے تو سیدہ اُمّ حرام بنت ملحانؓ کے ہاں جاتے۔ وہ آپ کے لیے کھانا تیار کرتیں۔ ایک دن جب آپ ﷺ اُن کے ہاں آئے تو انھوں نے کھانا کھلایا۔

---

۱ صحیح بخاری: ۹۳۷

۲ فتح الباری: ۱۳/۷۸

۳ فتح الباری: ۵/۹۳، طبع دار السلام

۴ صحیح بخاری: ۶۲۸۱

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

آپ ﷺ کھانے کے بعد آرام فرمانے لگے۔ پھر بیدار ہوئے تو مسکرا رہے تھے۔ سیدہ ام حرامؓ نے عرض کی: اللہ کے رسول ﷺ! آپ کی مسکراہٹ کی کیا وجہ ہے؟ آپ ﷺ نے اُس موقع پر اسلامی بحریہ کی بشارت دی...''[1]

اسی طرح نبی کریم ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو تب بھی آپ ﷺ نے سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے کہا: «فَانْطَلِقْ فَهَيِّئْ لَنَا مَقِيلًا»[2]

''جائیں اور ہمارے دوپہر کے آرام کے لیے کچھ بندوبست کریں۔''

الغرض آپ سفر و حضر میں قیلولہ فرمایا کرتے تھے۔ اور اُمّت کو بھی ان الفاظ سے تلقین فرمائی:

«قِيلُوا فَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَا تَقِيلُ»[3]

''قیلولہ (دوپہر کا آرام) کیا کرو۔ بے شک شیطان قیلولہ نہیں کرتے۔''

دراصل قیلولے سے انسان ایک دفعہ پھر تازہ دم ہو جاتا ہے۔ اور رات تک کے بقیہ اُمور اچھے انداز سے نباہ سکتا ہے حتی کہ صبح سویرے اُٹھنے کے لیے بھی قیلولہ معاون ثابت ہوتا ہے۔

دوپہر کا کھانا

سیدہ امّ حرامؓ کی مذکورہ روایت میں یہ وضاحت موجود ہے کہ آپ ﷺ جب قبا جاتے تو ام حرامؓ کے ہاں جاتے اور وہ آپ کی خدمت میں کھانا پیش کرتیں اور آپ آرام فرماتے۔ اور یہاں ماضی استمراری کے صیغے ہیں، یعنی ایسا بارہا ہوتا آیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے دوپہر کے کھانے کا معمول یہی تھا۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ ممکن ہے، یہ صبح یا شام کا کھانا ہو مگر ہم کہیں گے کہ شام کے کھانے کے بعد تو نبی کریم ﷺ عشاء سے پہلے سونے کو ناپسند کرتے تھے۔[4] دوسرے یہ کہ حدیثِ مذکور کے دوسرے طرق میں وضاحت ہے کہ سیدہ امّ حرامؓ آپ ﷺ کا سر دیکھنے لگیں۔[5] اور سر دیکھنے کا کام روشنی ہی میں ہوتا ہے۔

۱ صحیح بخاری:۶۲۸۲
۲ صحیح بخاری:۳۹۱۱
۳ السلسلۃ الصحیحۃ:۱۶۴۷
۴ صحیح بخاری:۵۹۹
۵ صحیح بخاری:۲۷۸۸

اُس دور میں ظاہر ہے کہ رات کو مصنوعی روشنی نہیں ہوتی تھی۔ مگر یہاں ایک اہم وضاحت ضروری ہے وہ یہ کہ ہمارے ہاں سر دیکھنا سے مراد جوئیں نکالنا لیا جاتا ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ کبھی ماؤں، خالاؤں یا پھوپھیوں کو اپنے چھوٹوں پر، خواہ وہ لڑکیاں ہوں یا لڑکے، جب پیار آتا ہے تو وہ سر دیکھنا شروع کر دیتی ہیں، اگرچہ سر میں ایسا کچھ نہ ہو۔ اس لیے سیدہ امّ حرامؓ آپ ﷺ کا سر مبارک دیکھتی تھیں تو اسے اسی پر محمول کیا جائے۔ واللہ اعلم

تیسرے یہ کہ احادیثِ مبارکہ میں ہمیں کھانے کے دو اوقات کا تذکرہ ہی ملتا ہے۔ پہلے پہر کے کھانے کو "غَدَاء" اور شام کے کھانے کو "عَشَاء" کہا جاتا تھا۔ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "كُنَّا نَقِيلُ وَنَتَغَدَّى بَعْدَ الْجُمُعَةِ"[1] ''ہم جمعے کے روز پہلے پہر کا کھانا اور قیلولہ جمعے کے بعد ہی کرتے تھے۔'' جمعہ بروقت اور مختصر ہوتا تھا، اس لیے جمعے کو صبح کا کھانا (ناشتہ) جمعے کے بعد کر لیتے۔

پہلے پہر کے کھانے کے متعلق ایک اور روایت بھی ہے۔ ایک دن نبی کریم ﷺ سیدہ عائشہؓ کے ہاں آئے۔ چولہے پر ہنڈیا اُبل رہی تھی۔ آپ ﷺ نے صبح کا ناشتہ منگوایا تو آپ کی خدمت میں روٹیاں اور (پہلے سے موجود) گھر کا سالن پیش کیا گیا۔ آپ نے فرمایا: «أَلَمْ أَرَ لَحْمًا؟» ''میں نے گوشت (پکتا) نہیں دیکھا تھا؟'' گھر والوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! بات تو اسی طرح ہے مگر وہ گوشت بریرہؓ کو بطورِ صدقہ دیا گیا تھا تو انھوں نے ہمیں ہدیہ کر دیا ہے۔ فرمایا: «هُوَ صَدَقَةٌ عَلَيْهَا وَهَدِيَّةٌ لَنَا»[2]

''وہ گوشت اس کے لیے صدقہ تھا جبکہ ہمارے لیے ہدیہ ہے۔''

اس حدیث میں "فَدَعَا بِالْغَدَاءِ" ''تو آپ نے پہلے پہر کا کھانا منگوایا ...'' ہمارا محل استدلال ہے۔ اور 'الْغَدَاء' عربی میں پہلے پہر کے کھانے پر بولا جاتا ہے۔

نمازِ عصر

اس کے بعد عصر کا وقت ہوتا۔ نمازِ عصر سے پہلے چار رکعات کی ترغیب بھی ثابت ہے۔ دعائے نبوی ہے: «رَحِمَ اللهُ امْرَأً صَلَّى قَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعًا»[3] ''اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جو عصر سے

۱ صحیح بخاری:۶۲۷۹
۲ صحیح بخاری:۵۴۳۰
۳ سنن ابی داود:۱۲۷۱

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

قبل چار رکعات پڑھے۔" اس سے واضح ہے کہ آپ ﷺ خود بھی یہ نوافل پڑھتے تھے۔ پھر عصر کی نماز پڑھاتے۔ عصر کی نماز کی پہلی دو رکعتیں ظہر کی آخری دو رکعتوں کے برابر ہوتیں۔ اور آخری دو رکعتیں اس سے چھوٹی ہوتیں۔[1]

ہماری تحقیق کے مطابق نمازِ عصر کا دورانیہ تقریباً ۸ سے ۹ منٹ ہوتا تھا۔ واللہ اعلم

نمازِ عصر کے بعد

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کسی ضابطے یا شرعی حکم سے آشنا کرنا ہوتا یا کسی وعظ و نصیحت سے نوازنا ہوتا تو عموماً عصر کے بعد ہی ایسا کرتے۔ اس کے کئی ایک دلائل ہیں:

① سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، ایک دن آپ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی پھر خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے۔ اور قیامت تک وقوع پذیر ہونے والے معاملات کا ذکر کیا...[2]

② سیدنا ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ہم عصر کے بعد نبی کریم ﷺ کے جلو میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ادھر سامنے قُعَیقِعان پہاڑ پر دھوپ پڑ رہی تھی۔ اس دوران آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَا أَعْمَارُكُمْ فِي أَعْمَارِ مَنْ مَضٰى، إِلاَّ كَمَا بَقِيَ مِنَ النَّهَارِ فِيمَا مَضٰى مِنْهُ»[3]

"تم سے پہلے جو لوگ گزر چکے ہیں، ان کی اور تمھاری عمروں کا یہی تناسب ہے جیسے اب دن کا کچھ حصہ باقی ہے۔" یعنی تمھاری عمریں سابقہ لوگوں کی نسبت کم ہوں گی۔

③ فاطمہ بنت اسد مخزومیہؓ، جن سے چوری ہو گئی تھی، سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کو اُن کی سفارش کے لیے پیش کیا گیا۔ واقعہ مشہور ہے مگر اس دن جو آپ ﷺ نے اس حوالے سے خطبہ ارشاد فرمایا، وہ بھی پچھلے پہر تھا۔ حدیث میں اس کی وضاحت اس طرح ہے:

فَلَمَّا كَانَ الْعَشِيُّ قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ خَطِيبًا... «فَإِنَّمَا أَهْلَكَ النَّاسَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوْا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ...»[4]

---

1 سنن ابی داود: ۸۰۴

2 صحیح الترغیب والترہیب: ۲۷۵۱

3 مسند احمد: ۲/۱۱۵

4 صحیح بخاری: ۴۳۰۴

"پھر جب پچھلا پہر ہوا، آپ ﷺ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا..."

④ اسی طرح ایک دفعہ سیدہ عائشہؓ نے سیدہ بریرہؓ سے ان کی آزادی کا معاملہ طے کیا کیونکہ وہ حالتِ غلامی میں تھیں۔ تو ان کے مالکوں نے کچھ ناجائز شرط رکھ دی۔ نبی کریم ﷺ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ ﷺ نے اس بارے میں عمومی ضابطہ بیان فرمانا تھا۔ اس کے لیے آپ ﷺ نے اسی وقت کا انتخاب فرمایا۔ حدیث کے الفاظ ہیں:

... ثُمَّ قَامَ النَّبِيُّ ﷺ مِنَ الْعَشِيِّ فَأَثْنٰى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ: مَا بَالَ النَّاسُ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ...[1]

"پھر جب پچھلا پہر ہوا تو نبی کریم ﷺ (وعظ کے لیے) کھڑے ہوئے، اللہ کی ثنا بیان کی جو اس کے شایانِ شان ہے، پھر فرمایا: "لوگوں کو کیا ہے کہ وہ ایسی شرطیں رکھتے ہیں جن کی کتاب اللہ میں اجازت نہیں..."

بہر حال اَلعَشِیُّ کے لفظ میں عصر سے پہلے اور بعد کے دونوں احتمال موجود ہیں مگر دیگر قرائن عصر کے بعد کا اشارہ کرتے ہیں۔ عصر کے بعد عمومی نوعیت کے خطبوں کی حکمت شاید یہ ہو کہ لوگ کام کاج سے واپس آچکے ہوتے تھے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ سن سکیں۔ واللہ اعلم

گھریلو زندگی

نمازِ عصر کے بعد جس دن کوئی وعظ و تذکیر یا صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھنے کا ارادہ نہ ہوتا یا وعظ و تذکیر سے فارغ ہو کر آپ ﷺ عصر کے بعد کے ان لمحات کو گھریلو اور نجی زندگی کے طور پر گزارتے تھے۔ امّ المومنین عائشہ صدیقہؓ نجی زندگی کے اس پہلو کو ان الفاظ سے بیان کرتی ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا انْصَرَفَ مِنَ الْعَصْرِ دَخَلَ عَلٰى نِسَاءِهِ فَيَدْنُو مِنْ إِحْدَاهُنَّ[2]

"رسول اللہ ﷺ جب عصر کی نماز سے فارغ ہوتے تو اپنی ازواج کے ہاں جاتے اور ان میں سے کسی ایک کے قریب ہوتے (جن کے ہاں قیام ہوتا)۔"

---

1 صحیح بخاری: ۲۱۵۵

2 صحیح بخاری: ۵۲۱۶

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اس وقت ہر ایک زوجہ محترمہؓ کو وقت بھی برابر دیتے۔ اس کی وضاحت مذکورہ حدیث کے ان الفاظ سے ہوتی ہے: ”تو آپ ﷺ سیدہ حفصہؓ کے ہاں آئے تو آپ ﷺ ان کے پاس اس دورانیے سے زیادہ ٹھہرے جتنا آپ ٹھہرا کرتے تھے...“[1]

ازواجِ مطہرات کو اندازہ تھا کہ آپ ﷺ ایک زوجہ کے ہاں عموماً اتنا ٹھہرتے ہیں، اسی لیے تو وہ کہہ رہی ہیں کہ آپ اس دورانیے سے زیادہ سیدہ حفصہؓ کے ہاں رہے۔

جب ازواج کے ہاں عصر کے بعد جاتے تو دو نفل پڑھتے۔ سیدہ عائشہؓ روایت کرتی ہیں:

”نبی ﷺ جب بھی عصر کے بعد میرے ہاں آتے تو دو رکعات ضرور پڑھتے۔“[2]

کسی کے ذہن میں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ عصر کے بعد نفل کی ممانعت ہے۔ اس کا جواب ایک تو یہی حدیث ہے، دوسرے یہ کہ عصر کے فوراً بعد یا سورج کے زرد ہونے سے پہلے تک نفل کی اجازت ہے۔ ممانعت غروبِ آفتاب کے قریب وقت کی ہے۔ مزید دلائل کا یہ موقع نہیں۔

ازواج کے ہاں جا کر کیا آپ ﷺ اپنے ہی آپ میں مگن رہتے تھے؟ نہیں بالکل نہیں۔ گھر کے کاموں میں ان کے ساتھ شریک ہو جایا کرتے تھے۔ سیدہ عائشہؓ سے ان کے شاگرد اَسود رحمہ اللہ پوچھتے ہیں: نبی ﷺ کی گھر میں کیا مصروفیات ہوتی تھیں؟ سیدہ عائشہؓ جواب دیتی ہیں:

"يَكُونُ فِي مِهْنَةِ أَهْلِهِ، تَعْنِي خِدْمَةَ أَهْلِهِ"[3]

”نبی ﷺ گھر والوں کے کام کاج میں مصروف رہتے، یعنی ان کا ہاتھ بٹاتے۔“

اس دوران اپنے کام کاج بھی کر لیتے۔ سیدہ عائشہؓ سے آپ ﷺ کے گھر کی مصروفیات کے متعلق پوچھا گیا تو اُنھوں نے بتایا کہ ”آپ ﷺ اپنے کپڑے سی لیا کرتے تھے اور اپنے جوتے گانٹھ لیا کرتے تھے اور عام طور پر مرد گھروں میں جو کام کاج کرتے ہیں، وہ بھی کرتے تھے۔“[4]

عہدِ نبوی میں مغرب سے پہلے کا یہ وقت عمومی طور پر گھروں میں کھانا پکانے کا ہوتا تھا کیونکہ عرب میں مغرب کے وقت، تھوڑا سا پہلے یا بعد میں شام کا کھانا کھایا جاتا تھا۔ ظاہر ہے اس کی تیاری مغرب سے

---

1 صحیح بخاری:۵۲۱۶
2 صحیح بخاری:۵۹۳
3 صحیح بخاری:۶۷۶
4 صحیح ابن حبان:۵۶۷۷

پہلے ہی ہوتی تھی۔ اسی لیے تو آپ ﷺ نے ایک ہی وقت میں کھانا تیار ہونے اور نمازِ مغرب کا وقت ہو جانے پر کھانے سے آغاز کا حکم فرمایا ہے۔ حدیث میں شام کے کھانے اور نمازِ مغرب کی صراحت ہے۔ الفاظ یہ ہیں: «إِذَا قُدِّمَ الْعَشَاءُ فَابْدَؤُوا بِهِ قَبْلَ أَنْ تُصَلُّوا صَلَاةَ الْمَغْرِبِ»[1]

”جب شام کا کھانا پیش کر دیا جائے تو نماز مغرب سے پہلے اسے کھا لیا کرو۔“

نمازِ مغرب

پھر جب اذان سنتے تو (مسجد کی طرف) چل نکلتے۔[2] سیاق و سباق سے اندازہ ہوتا ہے کہ جس اذان کو سن کر آپ مسجد جایا کرتے تھے، یہ مغرب کی اذان ہوا کرتی تھی۔ کیونکہ باقی نمازوں میں آپ ﷺ سنتیں گھر میں پڑھا کرتے تھے اور اسی کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

پھر مغرب کی نماز پڑھاتے۔ مغرب کی نماز میں عموماً چھوٹی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ عہدِ صحابہ میں ایک شخص مغرب میں قصارِ مُفصّل (سورۃ البینہ سے الناس تک) کی تلاوت کرتے تھے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز کو رسول اللہ ﷺ کی نماز کے سب سے زیادہ مشابہ قرار دیا۔[3]

جبکہ کبھی نمازِ مغرب میں سورۃ مرسلات اور سورۂ طور کا پڑھنا بھی ثابت ہے۔[4]

شام کا کھانا

نمازِ مغرب کے بعد عشاء سے پہلے پہلے آپ ﷺ کھانا تناول فرما لیتے تھے۔ اس کی ایک دلیل عمومی رواج کی ہے کہ تمام لوگ مغرب کے بعد یا پہلے ہی کھانا کھایا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک خاص دلیل بھی ہے: حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں

إِنَّ أَبَا بَكْرٍ تَعَشَّى عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ لَبِثَ حَتَّى صُلِّيَتِ الْعِشَاءُ ...[5]

”اور بے شک ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے ہاں سے شام کا کھانا کھایا پھر عشاء کی نماز تک وہاں

---

1 صحیح بخاری:۶۷۲
2 صحیح بخاری:۵۳۶۳
3 سنن نسائی:۹۸۴
4 صحیح بخاری:۴۴۲۹
5 صحیح مسلم:۲۰۵۷

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ہی رہے...“ اسی طرح آپ ﷺ عشاء سے قبل سونے کو ناپسند کرتے تھے۔

نمازِ عشاء

بعد ازاں نمازِ عشاء پڑھاتے۔ عشاء کی نماز میں آپ ﷺ نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو والشمس اور واللیل اور الاعلیٰ جیسی سورتیں پڑھنے کا کہا تھا۔[1] اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نمازِ عشاء میں اس جیسی سورتیں ہی پڑھا کرتے تھے یا اس سے بھی چھوٹی۔ ایک رات آپ ﷺ نے عشاء کی نماز میں سورۃ التین کی تلاوت فرمائی۔[2] عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھنے کو پسند فرماتے تھے۔[3] نمازِ عشاء غروب آفتاب کے تقریباً سوا دو گھنٹے بعد پڑھاتے تھے۔ اس کی دلیل سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نمازِ عشاء تیسری رات کے چاند کے غائب ہونے کے وقت پڑھایا کرتے تھے۔[4] اور تیسری رات کا چاند غروب آفتاب سے سوا دو گھنٹے بعد غائب ہوتا ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ”رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز پڑھاتے، پھر اپنے گھر والوں (جن کے پاس قیام کی نوبت ہوتی) کے پاس آتے۔ پھر چار رکعات پڑھتے، پھر اپنے بستر کی طرف جاتے اور (سونے کے اذکار کرکے) سو جاتے۔ وضو کا پانی بھی آپ ﷺ کے سر مبارک کی طرف پاس ہی پڑا ہوتا اور مسواک بھی رکھی ہوتی۔[5] نبی کریم ﷺ عشاء کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند کرتے تھے۔[6]

اپنے شب و روز کے معمولات کے ساتھ آپ ﷺ ہمیشہ ذکر میں مشغول رہتے۔ حدیث ہے:

كَانَ رَسُولُ الله ﷺ يَذْكُرُ اللهَ عَزَّوَجَلَّ عَلى كُلِّ أَحْيَانِه‘

”رسول اللہ ﷺ اپنے تمام اوقات میں اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔“[7]

یہ تھا آپ ﷺ کے معمولات کا ایک مختصر خاکہ۔ رفتہ رفتہ اسے مزید وسعت دینے کی کوشش جاری رہے گی۔ ان شاء اللہ

محترم قارئین! آپ کے علم میں موضوع سے متعلقہ کوئی بات ہو مجھے آگاہ کریں۔ جزاکم اللہ خیرا

۱ صحیح مسلم: ۱۰۶۸
۲ سنن ابن ماجہ: ۸۳۴
۳ صحیح بخاری: ۵۹۹
۴ سنن ابی داؤد: ۴۱۹
۵ سنن ابی داؤد: ۱۳۴۶
۶ صحیح بخاری: ۵۹۹
۷ صحیح مسلم: ۸۵۲

اصولِ فقہ

قرآن کے الفاظ؛ قطعی الدلالۃ یا ظنی الدلالۃ؟

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر[1]

قرآنِ مجید کے الفاظ کی اپنے معانی پر دلالت میں قطعیت اور ظنیت

یہ گفتگو ادارہ علم و تحقیق ’المورد‘ کے سلسلہ وار آن لائن ماہانہ علمی لیکچرز کی سولہویں نشست میں کی گئی۔ اسے کچھ تہذیب و تنقیح کے بعد اشاعت کی غرض سے لیکچر سے تحریری صورت دی گئی ہے۔

سوال ا: قطعی الدلالۃ کا معنی و مفہوم کیا ہے؟

قطعی کا لفظ قَطَع سے ہے جس کے معنی کاٹنا ہیں۔ پس ’قطعی الدلالۃ‘ میں قطعی کے معنیٰ یہ ہیں کہ لفظ میں موجود ایک سے زائد معانی کے احتمالات کا ختم ہو جانا اور محتمل معانی میں سے ایک ہی معنی کا متعین ہو جانا۔

’دلالت‘ کا اصطلاحی معنیٰ یہاں منطق کی اصطلاح میں: دلالتِ مطابقت، دلالتِ تضمن اور دلالتِ التزام ہے۔ اور اُصول فقہ کی اصطلاح میں ’دلالت‘ سے مراد منطوق اور مفہوم ہے یعنی لفظی اور معنوی دلالت۔ مَنطوق سے صریح اور غیر صریح مراد ہے کہ لفظ، صیغے اور نظم کلام کی اپنے معنی پر دلالت صراحت کے ساتھ ہے یا غیر صراحت کے ساتھ۔ صریح میں مطابقت اور تضمن یعنی لفظ کا کل معنی یا جزوی معنی پر دلالت کرنا ہے جیسا کہ امر و نہی، مطلق و مقید، عام و خاص، مجمل و مبین اور ظاہر و موَول وغیرہ۔ غیر صریح میں دلالتِ التزام مراد ہے کہ لفظ نہ تو کل معنی پر دلالت کرے اور نہ ہی جزوی معنی پر بلکہ لازم معنی پر دلالت کرے جیسا کہ اشارۃ النص، اقتضاء النص اور ایماء النص۔

مفہوم کی دو قسمیں ہیں: موافق اور مخالف۔ موافق کی قسموں میں اولیٰ اور مساوی ہے جبکہ مخالف کی قسموں میں غایت، شرط، وصف، عدد، ظرف، علت اور لقب ہے۔ یہ جمہور کا طریقہ ہے۔

حنفیہ کے نزدیک دلالت کی چار قسمیں ہیں: یعنی وضع، استعمال، وضوح و خفا اور قصد کے اعتبار

۱ mzubair@ciitlahore.cdu.pk

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

سے۔ وضعی دلالت کے اعتبار سے لفظ عام، خاص اور مشترک میں منقسم ہے۔ لفظ یا تو ایسے مدلول کے لیے وضع ہوا ہے کہ جو محصور ہے یا پھر ایسے مدلول کے لیے کہ جو غیر محصور ہے یا پھر ایک سے زائد مدلول کے لیے وضع ہوا ہے۔ پھر لفظ اپنے وضعی معنی میں استعمال ہوا ہے یا نہیں تو اس اعتبار سے حقیقت ومجاز اور صریح وکنایہ کی اصطلاحات ہیں۔ پھر لفظ کی اپنے معنی میں دلالت کتنی واضح یا کس قدر خفی ہے تو اس پہلو سے ظاہر، نص، مفسر اور محکم ہے یا خفی، مشکل، مجمل اور متشابہ ہے۔ اور قصد کے اعتبار سے عبارۃ النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص اور اقتضاء النص ہیں۔ اگر تو وہ دلالت متکلم کا مقصود ہے تو عبارت ہے اور اگر مقصود کلام نہیں ہے تو اشارہ ہے۔ اور اگر دلالت لغوی ہے تو دلالت ہے اور اگر شرعی ہے تو اقتضا ہے۔

قطعی الدلالہ کی اصطلاح میں 'قطعی' کا لفظ خود اس بات کی دلیل ہے کہ لفظ میں ایک سے زائد معانی کا احتمال ہوتا ہے ورنہ تو 'قطع' کا معنی کیا ہوا کہ جو اس لفظ کی اصل ہے۔ پس قطعی الدلالہ کا لفظ یہ بتلا رہا ہے کہ لفظ میں شروع ہی سے ایک سے زائد معانی کا احتمال تھا لیکن جب قرائن یا سیاق وسباق کی روشنی میں ان معانی میں سے ایک معنی قطعی ہو گیا تو لفظ کی اپنے معنی پر دلالت قطعی کہلائی۔ کسی لفظ میں یہ ایک سے زائد معنوی احتمالات لغت میں لفظ کے ایک سے زائد معانی کے لیے وضع ہونے یا لفظ کے عرفی معنی میں اختلاف یا لغوی اور شرعی معنی میں فرق یا نظم کلام اور سیاق وسباق میں کسی لفظ کو رکھ کر دیکھنے کے پس منظر یا لفظ کے معاشرتی تناظر اور سببِ نزول کے اختلاف وغیرہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ بات امر واقعہ ہے کہ بعض اوقات کلام میں فی نفسہٖ ایک سے زائد معانی کا احتمال موجود ہوتا ہے۔

سوال ۲: قرآن مجید کے الفاظ کی اپنے معانی پر دلالت قطعی ہے یا نہیں؟

قرآن مجید کے الفاظ کی اپنی دلالت میں قطعیت اور ظنّیت کے بارے تین موقف ہیں:

۱۔ قرآن مجید کل کا کل قطعی الدلالہ ہے۔

۲۔ قرآن مجید کل کا کل ظنی الدلالہ ہے۔

۳۔ قرآن مجید کا بعض قطعی الدلالہ اور بعض ظنی الدلالہ ہے۔

ہمیں اس وقت یہ بحث نہیں کرنا کہ ان میں سے کون سا کس کا موقف ہے؟ بلکہ پہلے دو نقطہ ہائے نظر کی غلطی اور تیسرے کی صحت بیان کرنا ہے۔ قرآن مجید کے قطعی یا ظنی ہونے کے بارے تیسرا

موقف اس دینی اور علمی روایت کا تسلسل ہے کہ جس پر تمام معروف مذاہب کا اتفاق رہا ہے۔ ہم اپنی گفتگو میں اختصار کے پیش نظر پہلے موقف کو قرآن مجید 'قطعی' ہے، دوسرے کو قرآن مجید 'ظنی' ہے اور تیسرے کو قرآن مجید 'قطعی اور ظنی' ہے، کے عنوان سے بھی ذکر کریں گے۔

سوال ۳: کیا قرآن مجید کا ہر لفظ قطعی الدلالہ ہے؟

جب کسی علمی یا دینی روایت میں یہ بحث کی جاتی ہے کہ قرآن مجید قطعی الدلالہ ہے یا نہیں تو وہاں دلالت سے مراد دلالت کی مذکورہ بالا جمیع اقسام ہوتی ہیں۔ اپنی بات کو آسان انداز میں پیش کرنے کی غرض سے قرآن مجید قطعی الدلالہ کا معنیٰ ہم یہ لے رہے ہیں کہ قرآن مجید کے الفاظ کا ایک متعین معنی ہے کہ جو متکلم کا مقصود ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور معنی مراد لینا نہ صرف متکلم کی مراد کی خلاف ورزی ہے بلکہ اس کی مخالفت بھی ہے۔ اگر ہم اس بحث کہ قرآن مجید کل کا کل قطعی الدلالہ ہے، کی ممکنہ صورتیں بنائیں تو وہ درج ذیل چار صورتیں ہیں:

① قرآن مجید عند اللہ قطعی الدلالہ ہے؟ ہمارا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ہر کلام اپنے متکلم کے نزدیک اپنے لفظ لفظ میں قطعی ہوتا ہے۔

② قرآن مجید عند رسول اللہ ﷺ قطعی الدلالہ ہے؟ اس میں کچھ تفصیل ہے کہ فی نفسہٖ قطعی نہیں بلکہ مع البیان قطعی ہے جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو قرآن مجید میں سورۃ القیامۃ میں ارشاد فرمایا گیا کہ آپ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی قراءت کی اتباع کریں اور پھر اس قراءت کا بیان ہمارے ذمہ ہے۔ پس محض قرآن مجید کے الفاظ اپنے معانی میں اجمال بھی رکھتے ہیں کہ جن کی تفصیل سنت میں علیحدہ سے نازل ہوئی ہے۔ مثلاً قرآن مجید کے الفاظ ﴿ أَقِيمُوا الصَّلٰوةَ ﴾ کا وہ معنی ومفہوم جو منشائے متکلم ہے کہ پانچ نمازیں پڑھنی ہیں اور ان اوقات میں پڑھنی ہیں اور یوں پڑھنی ہیں وغیرہ، اللہ کے رسول ﷺ کے لیے صرف اسی نص کے نزول سے قطعی نہیں ہوا بلکہ مزید وحی کے ذریعے سنت کے بیان سے قطعی ہوا جیسا کہ جبرئیل علیہ السلام نے آکر آپ ﷺ کو نمازوں کے اوقات وغیرہ کی تعلیم دی۔ پس ﴿ أَقِيمُوا الصَّلٰوةَ ﴾ کے الفاظ اپنا مکمل معنی بتلانے میں قطعی نہیں ہے جب تک کہ سنت کا بیان اس میں شامل نہ ہو جائے۔

اسی بات کو امام شافعی نے یوں فرمایا ہے کہ کتاب وسنت دو مصادر نہیں ہیں بلکہ ایک ہی مصدر

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

کی دو نوعیتیں ہیں۔ قرآن مجید اللہ کے الفاظ ہیں جبکہ سنت ان الفاظ کا معنی ہے، دونوں منزل من اللہ ہیں۔ ایک میں لفظ نازل ہوا اور دوسرے میں معنی۔ ایک میں لفظ محفوظ ہے اور دوسرے میں معنی۔ اگر سنت کو چھوڑ دیں گے تو قرآن مجید میں صرف الفاظ باقی رہ جائیں گے۔'اور سنت کا انکار دراصل قرآن مجید کے نازل شدہ معانی کا انکار ہے۔ اور سنت کے انکار کے بعد ہی فتنہ پرور گروہ قادیانیت، باطنیت، خارجیت اور اعتزال وغیرہ قرآن مجید ہی کے الفاظ سے سب قسم کی گمراہیاں نکال لیتے ہیں کہ جب آپ نے قرآن مجید کے الوہی معنی یعنی سنت کا انکار کر دیا تو اب تو وہ محض الفاظ ہیں کہ جو کھیل اُن کے ساتھ کھیلنا چاہیں، کھیل سکتے ہیں اور جو ان سے نکالنا چاہیں، نکال سکتے ہیں۔

③ قرآن مجید عند جمیع المخاطبین قطعی الدلالۃ ہے؟ یعنی تمام مکلفین کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن مجید کے لفظ لفظ کا ایک ہی معنی سمجھیں اور قرآن مجید کے کسی لفظ کے معنی میں ان کے مابین اختلاف نہ ہونے پائے۔ تو یہ دعویٰ کسی طور نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی سوفسطائیت ہے جو تفسیر میں اختلاف کے وجود کی بھی منکر ہے۔ تفسیر میں اہل علم کا اختلاف ہوا ہے اور یہ تنوع کا بھی ہے اور تضاد کا بھی ہے۔ تفسیر کا یہ اختلاف آج بھی جاری ہے، اور آئندہ بھی جاری رہے گا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے معراج کی رات، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو دیکھا یا نہیں تو اس میں صحابہ رضوان اللہ اجمعین سے آج تک اختلاف جاری ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ایک مفسر کے نزدیک راجح رائے کون سی ہے یا اس کے پاس اپنی اس رائے کے حق میں دلائل کس قدر مضبوط ہیں یا اسے اپنی اس رائے کی صحت پر کتنا ایمان اور یقین حاصل ہے، وغیرہ۔

ہم یہ بات کر رہے ہیں کہ قرآن مجید کے جتنے مقامات کی تفسیر میں اہل علم کا اختلاف ہوا ہے تو کیا اس اختلاف کے نتیجے میں کسی مفسر کے دلائل اس قدر مضبوط اور کافی وشافی ہیں کہ اس نے مرادِ الٰہی کی قطعیت کو اس طرح ثابت کر دیا ہو کہ نہ صرف معاصرین نے اس سے اپنا اختلاف ترک کر دیا ہو بلکہ

١ وسُنَنُ رسول الله مع كتاب الله وجهان: أَحَدُهما: نص كتاب، فَاتَّبَعَه رسول الله كما أنزل الله، والآخر: جملة، بَيَّنَ رسول الله فيه عن الله معنى ما أراد بالجملة، وأوضح كيف فرَضَها عامًّا أو خاصاً، وكيف أراد أن يأتي به العباد، وكلاهما اتبع فيه كتاب الله. [الشافعي، محمد بن إدريس، الرسالة، مكتبه الحلبي، مصر، ١٩٤٠م، ص ٩٠]

قیامت تک آنے والے اہل علم کے لیے بھی اس کی رائے سے اختلاف کرنا ممکن نہ رہا ہو۔ ہم تو نفس اختلاف کی بات کر رہے ہیں کہ صلاحیت اور اخلاص دونوں بنیادوں پر اہل علم کا قرآن مجید کی آیات کی تفسیر میں اختلاف ہوا ہے، ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا اور یہی اس کے قطعی الدلالۃ نہ ہونے کے لیے کافی وشافی دلیل ہے۔

اب یہ کہنا کہ 'تاویل کا اختلاف' اور ہوتا ہے اور 'احتمال کا اختلاف' مختلف ہے اور مفسرین نے 'تاویل میں اختلاف' کیا ہے۔ یہ ویسی ہی تھیورائزیشن (اصطلاح بندی) ہے جیسی کہ قرآن مجید کو ظنی الدلالۃ کہنے والوں نے کی ہے۔ جب ان کے اس موقف پر کہ قرآن مجید کل کا کل ظنی الدلالۃ ہے، عقلی وشرعی اعتراضات وارد کیے جاتے ہیں تو وہ یہی جواب دیتے نظر آتے ہیں کہ 'تفسیر' اور ہوتی ہے اور 'اعتبار' فرق ہے۔ کسی شے کو تھیورائز کر لینے کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس قاعدے کلیے یا ضابطے کا آپ کے ذہن سے باہر خارج میں بھی وجود ثابت ہو گیا ہے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ مفسرین میں تاویل کا اختلاف تنوع کا بھی ہے اور تضاد کا بھی۔ البتہ متقدمین مفسرین یعنی صحابہ کی جماعت میں تفسیر کا زیادہ تر اختلاف تنوع کا ہی تھا۔ اس لیے ابن تیمیہ رحمہ اللہ متقدمین کی تفسیر کی طرف رجوع کے پرجوش مبلغ ہیں کہ اس سے قرآن مجید کی قطعیت بڑھ جاتی ہے کہ قرآن مجید کا معنی ومفہوم متعین کرنے میں متقدمین کو کچھ ایسے خارجی ذرائع بھی حاصل تھے جو متاخرین کو حاصل نہیں ہیں جیسا کہ ان کا شانِ نزول کا حصہ ہونا یعنی صحابہ اس سببِ نزول کا حصہ تھے کہ جو قرآنِ مجید کی آیات کے نزول کا باعث بنا۔ آسان الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ صحابہ لفظ کے اس معاشرتی تناظر سے خوب واقف تھے کہ جس میں اس لفظ کا معنی موجود تھا۔ لیکن قرآن مجید کی تفسیر میں متاخرین نے جو اختلاف متقدمین سے کیا یا متاخرین نے آپس میں کیا تو اس میں تو اکثر اختلاف، تضاد ہی کا ہے۔ اور تضاد کا اختلاف، نفسِ کلام اور لفظ میں موجود ایک سے زائد احتمالات کے بغیر ممکن نہیں۔

④ قرآن مجید عند بعض المخاطبین قطعی الدلالۃ ہے۔ تو یہ دعویٰ بھی درست نہیں ہے کہ ایک مفسر کے لیے کل قرآن مجید قطعی الدلالۃ ہو جائے۔ یہ تو عصمت ہے جو نبی کے علاوہ کو حاصل نہیں ہے۔ اگر نبی کے علاوہ کسی کو حاصل ہو سکتی تو دو اشخاص کو لازماً حاصل ہوتی یعنی عمر بن خطاب اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہ جن کی قرآن فہمی، تاویل وتفسیر اور دینی علم کی فضیلت و

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

منقبت نصوص سے ثابت ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو اللہ کے رسول ﷺ نے سینے سے لگا کر یہ دعا دی کہ ''اے پروردگار! اُنہیں کتاب کا علم عطا فرما۔''[1] اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ''وہ علم نبوت کے اس پیالے سے سیراب کیے گئے کہ جس سے میں سیراب ہوا ہوں۔''[2] اور یہی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''مجھے 'أَبًّا' کا معنی معلوم نہیں اور اگر میں اس کا معنی معلوم کرنے کی کوشش بھی کروں گا تو تکلف محض ہو گا۔''[3] اور اس نوعیت کے اقوال کئی ایک کبار صحابہ سے منقول ہیں۔

یہ بات درست ہے کہ قرآن مجید کے بعض مقامات بعض مفسرین کے لیے کچھ خارجی ذرائع کی وجہ سے قطعی الدلالۃ ہو جائیں جبکہ وہی مقامات دیگر مفسرین کی جماعت کے لیے قطعی نہ ہوں۔ اور یہ مفسرین صحابہ اور ان کے بعد کے مفسرین کی جماعت میں ایک اہم فرق ہے۔ حضرت عمر بن خطاب نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو خط لکھا کہ مسلمان اُمت قرآن مجید میں کیسے اختلاف کرے گی؟ تو اُنہوں نے یہی جواب دیا کہ قرآن مجید ہم صحابہ کی جماعت کے تو سامنے نازل ہوا لہذا ہمیں آیات کے بارے علم ہے کہ کس بارے، کیوں اور کس پس منظر میں نازل ہوئی۔ لیکن ہمارے بعد والے اس سے محروم ہوں گے اور بہت اختلاف کریں گے۔ پس صحابہ کے لیے قرآن مجید کے بہت سے مقامات قطعی الدلالۃ تھے جبکہ بعد والوں کے لیے وہ قطعی نہیں ہیں، اگر وہ صحابہ کو درمیان سے نکال دیں۔ ہاں البتہ بعد والے اگر اس بارے صحابہ پر اعتماد کریں تو اُنہیں قرآن مجید کے قطعی معنیٰ تک رسائی حاصل ہو سکتی ہے کہ صحابہ ان الفاظ کے معانی تک پہنچنے کا دروازہ ہیں کیونکہ وہ اس معاشرے کا حصہ تھے کہ جس کے مسائل کو مد نظر رکھتے ہوئے قرآن مجید کی آیات نازل ہوئی تھیں۔

سوال ۴: کیا اللہ عزوجل اپنی کتاب کو قطعی الدلالۃ بنانے پر قادر نہیں ہے اور اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں بعض مقامات کو ظنی الدلالۃ کیوں رکھا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اہل عرب کی زبان میں کلام فرمایا ہے یعنی قرآن مجید جس زبان میں نازل ہوا ہے، اللہ عزوجل نے اسے قرآنِ مجید کے نزول کے ساتھ وضع نہیں کیا بلکہ اہل عرب اس زبان کے واضع تھے۔ لہذا عربی معلی ہو یا عربی مبین، یہ مخلوق کی زبان ہے کہ جس میں خالق نے کلام فرمایا ہے۔ خالق نے اپنے کلام کے لیے مخلوق کی وضع کردہ زبان کو آلہ بنایا ہے اور اسی لیے تو قرآن مجید نے بھی کہہ دیا کہ ''وہ آپ ﷺ کی زبان میں آسان ہوا ہے۔''[1]

پس ہمارے نزدیک ظنی الدلالۃ ہونے کا یہ معنی نہیں ہے کہ متکلم قادر الکلام نہیں ہے بلکہ یہ کہ متکلم نے اپنے کلام کے بعض مقامات کو جانتے بوجھتے اپنے بندوں کی آزمائش کی غرض سے ظنی الدلالۃ بنایا ہے جیسا کہ ہمارے لیے واضح ہے کہ کس طرح اللہ عزوجل نے آیات کو محکم اور متشابہ میں تقسیم کر کے متشابہات کو آزمائش بنانے اور ان پر ایمان لانے کا حکم دیا۔ پس قرآن مجید کے بعض مقامات کا ظنی الدلالۃ ہونے کا سبب بندوں کی آزمائش / اعجاز القرآن ہے، نہ کہ اللہ کا کلام کی قدرت نہ رکھ سکنا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفت کلام اور مخلوق کی زبان میں فرق لازم ہے اور یہ اس بارے دوسرا نکتہ ہے۔ ظنی الدلالۃ ہونا کلام کا عیب نہیں ہے جیسا کہ کسی شخص کا پیدائشی گونگا، بہرا یا نابینا ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اللہ کی صفتِ خلق میں کوئی عیب یا نقص ہے بلکہ یہ اس شخص کی آزمائش ہے۔ اللہ عزوجل کی صفت خلق اور مخلوق دونوں میں فرق لازم ہے۔ اسی طرح کلام کا ظنی الدلالۃ ہونا یہ لازم نہیں کرتا کہ اللہ کی صفتِ کلام میں عیب اور نقص ہے بلکہ اس میں بندوں کی آزمائش رکھی گئی ہے۔

سوال ۵: کیا قرآن مجید کل کا کل فی نفسہ قطعی الدلالۃ ہے؟ خود قرآن مجید اس بارے کیا کہتا ہے؟

قرآن مجید کل کا کل قطعی الدلالۃ نہیں ہے جیسا کہ خود "القرآن یفسّر بعضُه بعضًا" کے اُصول سے ثابت ہو رہا ہے۔ قرآن مجید میں متوفی عنہا کی عدت درج ذیل آیت میں بیان کی گئی ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا﴾[2] جبکہ اس کے بعد ایک اور آیت میں حاملہ عورتوں کی عدت بیان کی گئی: ﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ

---

١ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: ضَمَّنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ وَقَالَ: «اللَّهُمَّ عَلِّمْهُ الكِتَابَ» [البخاري]

٢ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ، يَقُولُ: «بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ، فَشَرِبْتُ مِنْهُ، حَتَّى إِنِّي لَأَرَى الرِّيَّ يَخْرُجُ مِنْ أَظْفَارِي، ثُمَّ أَعْطَيْتُ فَضْلِي -يَعْنِي- عُمَرَ» قَالُوا: فَمَا أَوَّلْتَهُ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «العِلْمَ» [صحيح البخاري، كِتَابُ التَّعْبِيرِ، بَابُ اللَّبَنِ]

٣ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، قَرَأَ عَلَى الْمِنْبَرِ: ﴿وَفَاكِهَةً وَأَبًّا﴾، فَقَالَ: هَذِهِ الْفَاكِهَةُ قَدْ عَرَفْنَاهَا، فَمَا الْأَبُّ؟ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى نَفْسِهِ، فَقَالَ: «لَعَمْرُكَ، إِنَّ هَذَا لهو التكلف يا عمر» [التفسير من سنن سعيد بن منصور، دار الصميعي: ١/ ١٨١]

١ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ [الدخان:٥٨]

٢ سورة البقرة: ٢٣٤

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ﴾.[1] ہر دو صورتوں میں، کہ پہلی آیت متوفی عنہا حاملہ کے حکم کو شامل ہے یا نہیں، متوفی عنہا کی عدت کے مسئلہ میں دوسری آیت نے پہلی آیت کے معنی کو قطعیت دی ہے اور دونوں آیات کے نزول میں زمانی اختلاف موجود ہے لہٰذا دوسری آیت کے نزول تک پہلی آیت فی نفسہٖ ظنی الدلالہ تھی۔

اسی طرح اگر قرآن مجید فی نفسہٖ قطعی الدلالہ ہوتا تو حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کو کیوں شبہ ہوتا کہ الخيط الأبيض اور الخيط الأسود سے کیا مراد ہے کہ ان کی تو مادری زبان بھی عربی تھی۔ البتہ یہ الفاظِ قرآنی عند رسول ﷺ قطعی الدلالہ تھے۔ پس قرآن مجید بعض مقامات پر فی نفسہٖ قطعی ہے جیسا کہ مائة جلدة اور بعض پر فی نفسہٖ ظنی جیسا کہ المَيتة.

سوال۶: قرآن مجید فی نفسہٖ قطعی ہے یا سنت کے ساتھ مل کر قطعی ہوتا ہے؟

قرآن مجید کا کل ذخیرہ الفاظ یا محاورات عربی معلی ہی کے ہیں یا قرآن مجید نے اصلاً عربی معلی میں کلام کیا اور بہت سا ذخیرہ الفاظ یا محاورات ایسے استعمال کیے جو اہل عرب کی زبان میں رائج نہیں تھے؟

یہ اس موضوع سے متعلق ایک اہم سوال ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید نے بہت سے الفاظ اور محاورات ایسے استعمال کیے ہیں جو اہل عرب کے لیے نئے تھے یعنی اُن کی زبان میں وہ مستعمل نہ تھے جیسا کہ استواء علی العرش، سدرۃ المنتہیٰ، لوحِ محفوظ اور جہنم وغیرہ۔ اب عرب جن الفاظ اور محاورات ہی کو پہلی مرتبہ سن رہے تھے تو وہ ان کے لیے فی نفسہٖ قطعی الدلالہ کیسے ہوگئے؟ ہاں! سنت کے بیان کے ساتھ مل کر وہ قرآنی الفاظ قطعی الدلالہ ہوگئے ہوں تو وہ علیحدہ مسئلہ ہے کہ اس صورت میں ایک خارجی ذریعے نے قرآن کے الفاظ کے معانی کو متعین کیا ہے نہ کہ نظم کلام یا سیاق وسباق نے۔

اسی طرح قرآنِ مجید نے عربی معلی کے جس ذخیرہ الفاظ یا محاورات کو استعمال کیا تو کیا بعینہٖ اسی معنی میں استعمال کیا کہ جسے عرب جانتے تھے یا جس معنی میں وہ استعمال کرتے تھے، اس معنی میں کمی بیشی کے ساتھ لفظ کو ایک نیا معنی دیا کہ جس معنی سے عرب اس سے پہلے واقف نہ تھے؟ امر واقعہ یہ ہے کہ قرآنِ مجید کے بہت سے الفاظ جو کہ اصطلاحاتِ شرعیہ کی قبیل سے ہیں، قرآن مجید نے اُنہیں ان معانی میں استعمال ہی نہیں کیا کہ جس معنی میں وہ عربی معلی میں مستعمل تھے بلکہ اس میں بہت زیادہ کمی

---

1. سورة الطلاق: ٤

بیشی کی جیسا کہ لفظ صلوٰۃ، صوم، زکوۃ اور حج وغیرہ۔ اب سنت کے بیان کے بغیر کیا قرآن مجید کے یہ الفاظ اپنے معانی ومفاہیم میں قطعی الدلالہ ہیں؟

آپ اگر سنت سے مراد 'سنتِ ابراہیمی' بھی لے لیں تو پھر بھی صورت حال یہ ہے کہ ایک تو یہ سنت بھی قرآن مجید کے علاوہ ایک خارجی ذریعہ ہی ہے اور دوسرا آپ اس سنت میں بھی تجدید واضافے کے بھی قائل ہیں کہ یہ سنت بھی بعینہٖ وہی نہیں تھی جو اہل عرب میں اسلام سے پہلے رائج تھی یا عرب اس کے اصل معنی سے واقف تھے۔ تو اس صورت میں بھی سنت ابراہیمی وہی ہے جس کا تعین اللہ کے رسول ﷺ نے کیا نہ کہ وہ جو عربوں کے ہاں معروف تھی۔ لہٰذا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے بغیر محض دورِ جاہلیت کے عرب معاشرے کے رسم ورواج سے سنتِ ابراہیمی بھی متعین نہیں ہوتی ہے۔ پس قرآن مجید اللہ کے رسول ﷺ کی سنت کے بغیر قطعی نہیں ہوسکتا ہے۔

سوال۷: قرآن مجید، سنت کے علاوہ کون سے خارجی ذرائع سے قطعی الدلالہ بن جاتا ہے؟

یہ بات درست ہے کہ قرآن مجید کے بعض مقامات جو کہ مخاطبین کے لیے ظنی الدلالہ ہوں، خارجی ذرائع مثلاً تفسیر رسول ﷺ، لغتِ قرآن میں تفسیر صحابی، شانِ نزول کی روایات اور اجماعِ مفسرین سے قطعی ہوجاتے ہیں۔

سوال۸: کیا قرآن مجید، سنت اور دیگر خارجی ذرائع سے کل کا کل قطعی الدلالہ بن جاتا ہے؟

کل قرآن مجید فی نفسہٖ قطعی الدلالہ ہے یا خارجی ذرائع کے ساتھ قطعی الدلالہ ہے تو یہ دعویٰ کسی صورت درست نہیں ہے کہ کم از کم حروفِ مقطعات تو دونوں صورتوں میں نکالنے ہی پڑیں گے کہ ان کا معنی ومفہوم کسی کے علم میں نہیں ہے۔ اور فی نفسہٖ قطعی الدلالہ نہ ہونے کے ثبوت میں اُمورِ غیبیہ اور مصطلحاتِ شرعیہ بھی تو دلیل ہیں کہ قرآن مجید میں جن غیبی اُمور کا بیان ہے یا شرعی اصطلاحات کا بیان ہے تو ان کا اکثر معنی محض قرآن مجید کے بیان سے سمجھنا ناممکن ہے۔ کیا کوئی مفسر یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ سنت کے بغیر قرآنی الفاظ صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم اور حج کا وہ معنی معلوم ہوسکتا ہے کہ جو متکلم کی مراد ہے؟ کیا قرآن مجید مصطلحاتِ شرعیہ کے معانی ومفاہیم کے بیان میں فی نفسہٖ قطعی الدلالہ ہے کہ بغیر کسی خارجی ذریعے کے ان اصطلاحات کے معانی ومفاہیم مخاطب کو سمجھ آجائیں؟ نہیں ایسا نہیں ہے۔

سوال۹: قطعی المعنیٰ اور قطعی القصد میں کیا فرق ہے؟

اگر آپ یہ کہیں کہ کل قرآن مجید فی نفسہٖ قطعی القصد ہے تو یہ بات درست ہے لیکن قطعی المعنیٰ تو

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

یہ دعویٰ درست نہیں ہے۔ قرآن مجید نے آیات متشابہات کے بارے کہا کہ اللہ کا قصد واضح ہے کہ ان آیات پر ایمان لے آؤ لیکن ان کی معنوی حقیقت، تو یہ اللہ کے علاوہ کسی کے علم میں نہیں ہے۔

سوال ۱۰: کل معنی، اصل معنی اور لازم معنی میں کیا فرق ہے یا معنی اور معنوی حقیقت میں کیا فرق ہے؟

ایک کل معنی ہے، ایک اصل معنی ہے اور ایک لازم معنی ہے۔ یہ فرق بھی اس بحث میں اہم ہے۔ 'جنت' کا کل معنی یا حقیقی معنی نامعلوم اور کبھی معلوم ہو ہی نہیں سکتا کہ کسی آنکھ نے دیکھی نہیں، کان نے سنی نہیں اور دل پر خیال نہیں گزرا۔ اور 'جنت' کا اصل معنی معلوم ہے کہ وہ باغ ہے۔ اور اس کا لازم معنی یہ ہے کہ مؤمنین کا اُخروی گھر ہے۔ 'فرشتہ' کا کل معنی نامعلوم ہے اور معلوم ہونا ناممکن ہے۔ اصل معنی نور ہے۔ اور لازم معنی اللہ کی مخلوق ہونا ہے۔ یہ واضح رہے کہ 'معنی' میں اور 'معنوی حقیقت' میں بھی فرق ہے کہ لفظ کے کل معنی کو معنوی حقیقت کہتے ہیں۔

سوال ۱۱: قرآن مجید کو کل کا کل ظنی الدلالۃ کہنے والوں کی الجھن کیا ہے؟

یہاں سے ہی ظنی الدلالۃ کہنے والوں کو شبہ ہوا کہ کل قرآنِ مجید کل کا کل ظنی الدلالۃ ہے کہ ان کے نزدیک کسی بھی لفظ کی حقیقت وماہیت معلوم نہیں ہو سکتی یعنی کسی لفظ کا کل معنی معلوم نہیں ہو سکتا ہے۔ اور یہ تحکم محض اور جہل مرکب ہے کہ قرآن مجید کے لفظ لفظ کے بارے یہ دعوی کر دیا جائے کہ اس کا کل معنی نامعلوم ہے۔ "أربعة" کا کل معنی "أربعة" اور "مائة" کا کل معنی "مائة" ہے۔ موسیٰ کا کل معنی معلوم ہے کہ اللہ کے پیغمبر ہیں اور ان کی ذات مراد ہے اور ہارون کا کل معنی معلوم ہے کہ موسی علیہ السلام کے بھائی ہیں، اللہ کے پیغمبر ہیں اور ان کی ذات مراد ہے۔ اب یہ کہنا کہ قرآن مجید میں موسی علیہ السلام سے 'قلبِ سلیم' اور ہارون سے 'عقل مستقیم' مراد ہے تو اس سے بڑھ کر اللہ کی کتاب سے کیا کھلواڑ ہو گا؟ اور اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ قرآن مجید چونکہ کل کا کل ظنی الدلالۃ ہے لہذا ان الفاظ کا یہ معنی مراد لینا بھی جائز اور درست ہے۔ قرآن مجید کی باطنی تفسیروں کی بنیاد یہی اُصول ہے کہ قرآن مجید کل کا کل ظنی الدلالۃ ہے اور قرآن مجید میں کچھ بھی قطعی الدلالۃ نہیں ہے اور یہ ایک دوسری انتہا ہے۔

سوال ۱۲: ظنی الدلالۃ ہونے کا معنی ومفہوم کیا ہے؟

قرآن مجید کو قطعی الدلالۃ کہنے والوں کا یہ خیال ہے کہ قرآن مجید کو ظنی الدلالۃ کہنے میں توہین کا پہلو شامل ہے اور قرآن مجید کو ظنی الدلالۃ کہنے والوں کا ذہن ہے کہ ظنی الدلالۃ کا جیسے کوئی معنی

ہی نہیں ہوتا ہے تو ہم اس کو بھی واضح کرتے چلیں کہ ظنی الدلالۃ کا یہ معنی نہیں ہے کہ

① قرآن مجید کی آیات کا کوئی معنی ومفہوم ہی نہیں ہے، یہ تو اہل تفویض کا قول ہے۔

② اور نہ ہی ظنی الدلالۃ کا معنی یہ ہے کہ مفسر کو قرآن مجید کا جو معنی ومفہوم سمجھ آیا ہے تو وہ لازماً غلط ہی ہے۔

③ اور نہ ہی ظنی الدلالۃ کا یہ معنی ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ میں اس قدر ابہام ہے کہ مرزائیوں کی مرزائیت، روافض کی رافضیت اور باطنیہ کی باطنیت بھی ثابت ہو سکتی ہے۔

پہلی دو باتوں کے بارے عرض یہ ہے کہ ظنی الدلالۃ کا معنی یہ ہے کہ مفسر کے غالب گمان کے مطابق قرآنِ مجید کا معنی ومفہوم وہی ہے جو اسے سمجھ میں آیا ہے۔ وہ عِندہ مُصیب ہے اور قرآن فہمی میں خطا کے باوجود عند اللہ ماجور ہو گا کہ ایک گنا اجر حاصل کرے گا بشرطیکہ اس میں قرآن مجید کی تفسیر کی اہلیت اور اخلاص کی شرائط موجود ہوں۔ علاوہ ازیں ظنی الدلالۃ ہونے کا معنی یہ بھی ہے کہ اس کی قرآن فہمی میں خطا جبکہ فریق مخالف کی تفسیری رائے میں صحت کا امکان بھی موجود ہے۔

تیسری بات کے بارے ہمیں یہ عرض کرنا ہے کہ ظنی الدلالۃ ہونے کا یہ معنی کسی بھی اُصولی علمی روایت میں بیان نہیں ہوا کہ لفظ کی کوئی حدود ہی نہیں ہوتیں کہ جو چاہیں اس سے معنی مراد لے لیں۔ لفظ 'یَد' کا معنی ہاتھ ہے یا بازو ہے یا قدرت ہے تو یہی احتمالات ہیں کہ جن میں سے کوئی ایک مراد لیا جا سکتا ہے۔ اب ظنی الدلالۃ ہونے کا یہ معنی تھوڑا ہی ہے کہ لفظ 'یَد' سے آنکھ بھی مراد ہو سکتی ہے، ناک بھی اور کان بھی وغیر ذلک۔ جس طرح اُصولیین نے عقل ونقل سے یہ ثابت کر دیا کہ کتاب وسنت میں لفظ کا کل معنی مراد ہو گا یا جزوی معنی یا لازم معنی اور دلالت کی تمام اقسام کو عقل کے علاوہ شرع سے بھی ثابت کیا ہے اور اُصول فقہ کی کتب اس قسم کی مباحث سے بھری پڑی ہیں، اسی طرح سے ظنی الدلالۃ کہنے والوں کا علم اعتبار کے علم ہونے پر اصرار ابھی تک کسی محقق کی راہ دیکھ رہا ہے کہ وہ بھی مذہب، لسانیات اور کلام کی روشنی میں یہ ثابت کر سکیں کہ ظنی الدلالۃ میں معانی متعین نہیں ہوتے ہیں؟ ہمارا کہنا یہ ہے کہ "قطعی الدلالۃ میں ایک ہی معنی متعین ہوتا ہے جبکہ ظنی الدلالۃ میں ایک سے کچھ زائد معانی ہوتے ہیں کہ جن میں سے ایک کو اختیار کیا جاتا ہے۔ اور ظنی الدلالۃ میں یہ نہیں ہوتا کہ لفظ کا کوئی معنی ہی نہیں ہوتا یا لامحدود معانی اور تصورات میں سے کوئی بھی معنی اور تصور

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

لفظ کے لیے مراد لیا جاسکتا ہے۔"

اور اب وجودیوں کا یہ دعویٰ کرنا کہ قرآن مجید میں بنی اسرائیل سے مراد 'خیالاتِ طیبہ' ہیں اور جو دریا اُنہوں نے پار کیا تھا، اس سے مراد 'دریائے وحدت' ہے، موسیٰ علیہ السلام سے مراد 'قلب سلیم' ہے اور ہارون علیہ السلام سے مراد 'عقل مستقیم' ہے اور فرعون سے مراد 'نفسِ لعین' ہے۔ اور فرعون کے ایمان لانے سے ہماری مراد اب تو تمہاری سمجھ میں آگئی ہو گی؟ اور اوپر سے اگر اصرار یہ ہو کہ 'تفسیر' اور 'اعتبار' میں فرق ہے اور 'علم الاعتبار' اور 'باطنیت' میں فرق ہے تو یہ 'جہل مرکب' ہے کہ 'اعتبار' کو 'علم' کہہ دیا تو جہالت کو علم کہنا جہل مرکب کہلاتا ہے۔

پس ظنی الدلالہ ہونے کا معنی ہرگز یہ نہیں ہے کہ کتاب اللہ کا جو معنی و مفہوم چاہیں بیان کر دیں تو اس کا بھی احتمال قرآنی الفاظ میں موجود ہوتا ہے۔ قرآنی الفاظ میں جو احتمالات ہیں، پہلے اُنہیں لغت، عرف، اور شرع سے ثابت کرنا ہو گا اور پھر ان تین قسم کے احتمالات میں سے جب کوئی ایک احتمال کسی مفسر کے نزدیک لفظ کے خارجی ذرائع مثلاً سنت، الفاظ کے سیاق، سببِ نزول وغیرہ کی روشنی میں متعین ہو جائے تو یہ ظنی الدلالہ کا معنی و مفہوم ہے۔ اور اگر سب مفسرین کا اس معنی و مفہوم پر اتفاق ہو جائے تو یہ قطعی الدلالہ ہے۔ بنی اسرائیل سے مراد 'خیالات طیبہ' ہیں، یہ معنی نہ تو لغوی احتمالات میں سے ہے، نہ عرفی اور نہ ہی شرعی۔ اور جو معنی ان احتمالات کے علاوہ ہو، وہ باطنیت ہی کی ایک قسم ہے، چاہے اسے 'اعتبار' کا نام دیا جائے یا 'تفسیر اشاری' کا۔

سوال ۱۳: قرآن مجید قطعی الدلالہ بھی ہے اور ظنی الدلالہ بھی، اس دعویٰ کی دلیل قطعی کیا ہے؟

باقی رہا یہ سوال کہ جو اُصول ہم نے بیان کیا کہ قرآن مجید قطعی الدلالہ بھی ہے اور ظنی الدلالہ بھی تو اس اُصول کے قطعی ہونے کیا دلیل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اصول ان کلیاتِ محضہ میں سے نہیں ہے کہ جن کے اثبات کے لیے کسی صغریٰ و کبریٰ کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ قاعدہ کلیہ ایک خارجی حقیقت اور امر واقعہ ہے۔ پہلے ذرا اس بات پر غور کریں کہ قرآن مجید کے لفظ لفظ میں مفسرین کا اختلاف ہے یا بعض مقامات میں ہے؟ اور اس سوال کا جواب ایک تاریخی واقعہ ہے کہ جس کے بارے دو رائے ممکن نہیں ہیں کہ قرآن مجید کے بعض الفاظ کے معانی میں مفسرین کا اتفاق ہے اور بعض میں اختلاف ہے۔ یہ ایک واقعاتی حقیقت ہے۔

قرآن مجید کے لفظ لفظ کے بارے نہ تو متقدمین میں اختلاف ہوا اور نہ ہی معاصرین میں۔ تو جن مقامات میں سب کا اتفاق ہے تو وہ قطعی الدلالہ ہیں اور جن میں اختلاف ہے تو وہ ظنی الدلالہ ہیں۔ اختلاف سے مراد اختلافِ تضاد ہے، تنوع کا اختلاف درحقیقت اختلاف نہیں ہوتا بلکہ معنی کی ایک نئی جہت کا تعارف ہوتا ہے۔

سوال ۱۴: قرآن مجید میں کچھ آیات ایسی ہیں کہ جن کو اس دعویٰ کی دلیل کے طور نقل کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید کل کا کل قطعی الدلالہ ہے۔ اس بارے آپ کی کیا رائے ہے؟

اب رہی وہ آیات کہ جو قرآن مجید کے قطعی الدلالہ ہونے کی دلیل کے طور نقل کی جاتی ہیں تو فریق مخالف کا خود ان آیات کے معنی و مفہوم میں آپ سے اختلاف ہے۔ اور فریق مخالف نے ایسی بہت سی آیات بیان کی ہیں کہ جو قرآن مجید کے ظنی الدلالہ ہونے کی دلیل ہیں لیکن آپ ان کے معنی و مفہوم کے بیان میں اختلاف رکھتے ہوں گے۔ دلیل کے معنی و مفہوم میں دونوں طرف سے یہ اختلاف بھی اس بات کی دلیل ہے کہ سب قرآن مجید قطعی الادلہ نہیں ہے۔

سوال ۱۵: قرآن مجید کا لفظ لفظ قطعی الدلالہ مان لینے سے کیا کوئی گمراہی پیدا ہو جاتی ہے؟

جب آپ قرآن مجید کی کسی آیت کے بارے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ قطعی الدلالہ ہے جبکہ مفسرین کا اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے تو آپ یہ دعویٰ کر رہے ہوتے ہیں کہ اللہ کی مراد وہی ہے جو آپ کو سمجھ آئی ہے جبکہ بقیہ سب نہ صرف غلطی پر ہیں بلکہ آپ کی نہیں، اپنے پروردگار کی مخالفت پر کھڑے ہیں۔

اگر آپ یہ کہیں کہ الزانية والزاني کا لفظ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ دونوں کو شامل ہے اور یہ معنی و مفہوم ظنی الدلالہ ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ دوسروں کو اختلاف کی گنجائش دے رہے ہیں۔ اس صورت میں آپ اپنے نزدیک مصیب ہیں اور عند اللہ ماجور ہیں، اگر آپ میں یہ معنی بیان کرنے کی اہلیت اور اخلاص کی شرائط موجود ہیں کیونکہ حدیث میں مجتہد مخطی کے لیے ثواب کا ذکر ہے نہ کہ صرف مخطی کے لیے۔ اسی طرح آپ اس صورت میں اپنی قرآن فہمی میں خطا اور دوسرے کی تفسیر میں صحت کا امکان تسلیم کر رہے ہیں۔

لیکن اگر آپ یہ دعویٰ کریں کہ الزانية والزاني کا لفظ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ دونوں کو

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

شامل ہے اور یہ معنی ومفہوم قطعی الدلالہ ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ نہ صرف دوسروں کو اپنے سے اختلاف کا حق نہیں دے رہے بلکہ یہ دعویٰ بھی کر رہے ہیں کہ جس نے آپ سے اختلاف کیا، اس نے پروردگار سے اختلاف کیا۔ قطعی الدلالہ ہونے کا معنیٰ تو یہی ہے کہ اس متعین معنی کے علاوہ کوئی معنیٰ مراد لینا جائز نہیں ہے کہ جسے آپ نے قطعی الدلالہ قرار دے دیا ہے۔ اس لیے قرآن مجید کے ان مقامات میں کہ جن میں اہل علم کا اختلاف ہے، قطعی الدلالہ ہونے کا دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے؟ یہ ممکن نہیں ہے۔

سوال ۱۶: لفظ کا معنی کہاں موجود ہوتا ہے؟ لفظ میں یا کہیں اور؟

لفظ کا معنیٰ کہاں موجود ہوتا ہے، یہ لسانیات [linguistics] میں ایک اہم بحث ہے۔ معنی [meaning] کہاں موجود ہوتا ہے؟ خود لفظ [word] میں، لفظ کے سیاق [context] میں یعنی پیراگراف میں، لفظ کے تناظر [perspective] میں یعنی سبب نزول میں، مخاطب کے ذہن [mind] میں یعنی تصور میں، مخاطب کے شعور میں [consciousness] یعنی شعوری سطح میں، مخاطب کے کلچر میں یعنی عرف میں وغیرہ۔

یہ واضح رہے کہ لفظ کا معنی لفظ میں ہی ہوتا ہے اور تفصیل اس میں یہ ہے کہ لفظ اپنے معنی کے لیے بعض اوقات ظرف اور برتن [container] کی مانند ہوتا ہے کہ کل معنی یا اصل معنی لفظ میں ہی ہوتا ہے اور ہمیں لفظ کا معنی معلوم کرنے کے لیے کسی خارجی ذریعے یا قرینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اور بعض اوقات لفظ اپنے معنیٰ کے لیے ایک علامت [sign] کی حیثیت رکھتا ہے کہ وہ اپنے کل معنی یا اصل معنی پر دلالت کا ذریعہ ہوتا ہے جبکہ کل معنی یا اصل معنی کچھ خارجی قرائن کے ساتھ مل کر مکمل ہوتا ہے اور قرآن مجید میں ان قرائن سے مراد سنت، سببِ نزول، لفظ کا سیاق وسباق وغیرہ ہوتے ہیں۔ لیکن یہ کہنا کہ لفظ کا معنیٰ لفظ میں موجود ہوتا ہی نہیں ہے بلکہ مخاطب کے ذہن یا شعور یا سماج میں ہوتا ہے اور وہ جو معنی مراد لے لے تو وہی اس لفظ کا معنی درست ہے تو اس سے گھٹیا اور سطحی بات کوئی نہیں ہے کہ اس صورت میں کسی بھی لفظ کا کوئی بھی معنی ہو سکتا ہے۔ اور پھر صحیح معنوں میں یہی صورت حال ہو گی کہ ع 'کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی'۔ اور طرفہ تماشہ یہ ہے کہ جو لوگ اس فکر کے داعی ہیں، ان کی اپنی بات بھی اسی اُصول کے تحت دوسروں تک منتقل ہوتی ہے کہ لفظ اور معنی کا تعلق لازم وملزوم کا ہے۔

مسلم پبلی کیشنز کی چند نئی کتب

تیرے نام تیری پہچان
ساجدہ ناھید، بشریٰ تسنیم
اسمائے حسنیٰ کی شاندار تشریح اور کرنے کے کام
عام فہم انداز صفحات: 552

تدریب الصرف
دورۂ صرف کے 16 سالہ تجربات کا نچوڑ
کہنہ مشق استاد مولانا مشتاق احمد ﷫ کی خصوصی کاوش
صفحات: 232

پریشانیوں سے نجات پائیں
حافظ فیض اللہ ناصر ﷾
معاشی، معاشرتی، ازدواجی اور عائلی پریشانیوں کا قرآن وسنت کی روشنی میں حل
صفحات: 144

نورانی قاعدہ
رنگین تجویدی، باتصویر، باحوالہ مسنون نماز اور اذکار کے ساتھ
صفحات: 56

مسلم پبلیکیشنز
25 ہادیہ حلیمہ سنٹر
غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور
0322-4044013
0344-4392720
042-37249678
042-37310022

کسی بھی مکتبہ کی کوئی بھی کتاب حاصل کریں

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

magazine.mohaddis.com

ویب سائیٹ

www.mohaddis.com

احادیث نبویہ کا عظیم ذخیرہ، ترجمہ اور تحقیق وتخریج کی سہولت کے ساتھ
مکمل صحاح ستہ کاپی پیسٹ اور یونیکوڈ کی سہولت کے ساتھ پہلی مرتبہ آن لائن دستیاب

خصوصیات

- حدیث نمبر کے ذریعے تلاش
- اردو لفظ یا عبارت کے ذریعے تلاش
- عربی لفظ یا عبارت کے ذریعے تلاش
- موضوعات کے ذریعے تلاش
- ہر کتاب کے ابواب کی فہرست
- احادیث کا تفصیلی اور اجمالی حکم
- احادیث کی تخریج وتحقیق

مستقبل کا منصوبہ

1۔ مستقبل قریب میں صحاح ستہ کے علاوہ مزید کتب حدیث کا اردو ترجمہ بھی اپلوڈ کر دیا جائے گا۔
2۔ تحقیق حدیث کے سلسلے میں امام البانی کے حکم کے ساتھ ساتھ دیگر کبار علماء کرام کے حکم بھی شامل کیے جائیں گے۔
3۔ فی الحال صحاح ستہ کا ایک ایک ترجمہ دیا گیا ہے، مستقبل میں مزید اہل علم کے تراجم بھی شامل کرنے کا منصوبہ ہے۔

J-99 ماڈل ٹاؤن

Mobile: +92 322 7222288
anasnazar99@gmail.com
account kitabosunnat.com,
0093-01875659, Bank AlFalah, Urdu Bazar Lahore Swift Code: ALFPKKA093

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام ملت اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ